بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

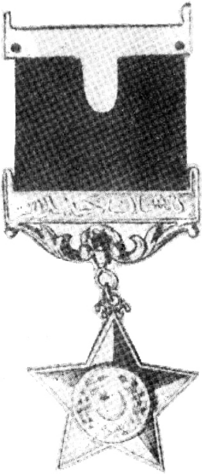

نشانِ حیدر

ٹی وی ڈرامہ

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اسماعیل صدیقی

تمغہ امتیاز (ملٹری)

جنگ پبلشرز

اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ

ہر عمر اور ہر ذوق کے قارئین کے لئے

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

جملہ حقوق محفوظ

ناشر میر شکیل الرحمٰن

تاریخ اشاعت	:	جولائی 1999ء
قیمت	:	100 روپے
زیر اہتمام و ادارت	:	مظفر محمد علی
پبلشر	:	جنگ پبلشرز
		(جنگ انٹرپرائزز لمیٹڈ کا ذیلی ادارہ)
پرنٹر	:	جنگ پبلشرز پریس
		13 - سر آغا خاں روڈ لاہور

اُن شہیدوں کے نام
جنہوں نے وطن کی محبت
میں جام شہادت نوش کیا

فہرست

ابتدائیہ	9
ڈرامہ نشانِ حیدر (پس منظر اور پیش منظر)	13
نشانِ حیدر (ڈرامہ)	49
جرأتوں کے نشان (نشان حیدر پانے والے)	88
بہادری کے اجزائے ترکیبی	96
بہادری کے تمغے اور دیگر ممالک	104
حرفِ آخر	121

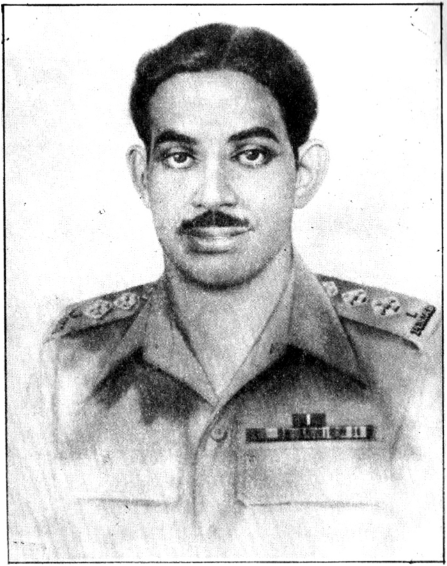

کیپٹن راجہ محمد سرور شہید (نشان حیدر)

میجر راجہ عبدالعزیز بھٹی شہید

کیپٹن راجہ محمد سرور شہید

میجر محمد طفیل شہید

لانس نائیک محمد محفوظ شہید

میجر محمد اکرم شہید

سوار محمد حسین شہید

فلائٹ لیفٹننٹ راشد منہاس شہید

نشان حیدر کا اعزاز پانے والے

میجر شبیر شریف شہید

نشان حیدر

کیپٹن سرور شہید 10 ر نومبر 1910ء راجہ محمد حیات خان کے گھر موضع سنگوری تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ 1927ء میں میٹرک پاس کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب ساری دنیا میں کساد بازاری کا عالم تھا۔ بہت اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی نوکری کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ کاروبار کی دنیا تعطل کا شکار تھی۔ راولپنڈی اور جہلم کا علاقہ تو ویسے بھی کم سہولتیں مہیا کرنے والا علاقہ رہا ہے استعماری قوتیں اسے یوں بھی پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ رکھنا چاہتی تھیں۔ کیونکہ انگریزوں کے نزدیک یہ علاقہ "مارشل ریسز" یعنی جنگجو اقوام کا علاقہ گردانا جاتا تھا۔ جس طرح یہاں کی زمین سنگلاخ ہے۔ اسی طرح یہاں کے لوگ سخت کوش ہوتے ہیں۔ بیشتر علاقے کے لوگوں کے لئے فوج میں نوکری کرنا نہ صرف باعث افتخار رہا ہے۔ بلکہ حالات اور معاشی ضروریات کا تقاضا بھی یہی رہا ہے کہ وہ اپنے لئے فوجی کیریئر کا انتخاب کریں۔ تعلیم کی کمی' نوکریوں کا فقدان' تجارت برائے نام بلکہ اس پر بالعموم ہندو سکھوں کی اجارہ داری تھی۔ ان حالات میں ایک جسمانی طور پر صحت مند اور ذہنی طور پر چاک وچوبند جوان کے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا رکھا گیا تھا کہ وہ ساڑھے سترہ روپے ماہوار پر انگریزی فوج میں نوکری کو ہی منتہائے مقصود گردانے۔ کہنے کو یہ نقد رقم اس سے کہیں زیادہ تھی جو ایک کاریگر یا انگریزی ورکشاپوں کا مزدور حاصل کرتا تھا۔ یعنی چھ آنے روز۔ یا اگر کسی ڈبل گریجوایٹ کو نوکری ملتی۔ تو وہ پینتیس روپیہ ماہوار کی ٹیچری۔ اس زمانے میں اکثر گریجوایٹ ریلوے اسٹیشنوں پر قلی گری بھی کرتے

رہے۔ اس لئے اس علاقے کے لوگوں کا فوج میں بھرتی ہو کے اتنی تنخواہ پانا بھی بہت بڑی بات ہوتی تھی۔ اس لئے ہر جوان ہوتے مرد کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی تھی کہ فوج میں بھرتی ہو کے اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہوئے ان کی روایات کو زندہ رکھے۔

بڑے عرصے تک یہی صورت حال رہی کہ ایک خاندان کے سارے مرد فوج میں چلے جاتے اور پیچھے گھر میں صرف ایک آدھ مرد ہی رہ جاتا۔ اس کے ذمے یہ ہوتا کہ وہ گھر والوں کے علاوہ جو تھوڑی بہت زمین ہوتی۔ اس کی دیکھ بھال کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ 1971ء کی جنگ میں جب ہمارے بہت سے فوجی جنگی قیدی بن گئے۔ تو پیچھے بیشتر دیہاتوں میں کوئی مرد باقی نہیں رہا تھا اور اگر تھے بھی وہ یا بچے تھے یا بوڑھے۔ اب بھی اگر بعض علاقوں کے گاؤں میں جاکر دیکھیں تو آپ کو کوئی ایسا گھر نہیں ملے گا جس میں کوئی سابقہ یا حاضر سروس فوجی نہ ہو۔ اگرچہ گلف نے اور دارالحکومت کے اسلام آباد آ جانے کے بعد صورت حال بڑی حد تک بدل چکی ہے۔ لیکن پھر بھی یہاں کے لوگوں میں فوجی زندگی رچی بسی ہوئی ہے۔

بہر کیف 1929ء کے زمانے میں جب سرور نے 15 اپریل کو اپنی فوجی زندگی کا آغاز کیا تو فوج میں بھرتی ہونا بھی کوئی اتنا آسان اور سہل کام نہیں تھا۔ سینکڑوں جوانوں میں سے کسی ایک خوش نصیب کو چنا جاتا تھا، اس کی خاندانی روایات کو جانچا اور پرکھا جاتا تھا اور جو نوجوان اس زمانے کے سخت بھرتی کے معیار پر پورا اترتا تھا۔ صرف اور صرف اسے لیا جاتا تھا۔ ویسے بھی فوجی زندگی میں سفارش یا دوسرے عوامل کا دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب دشمن کا سامنا ہوتا ہے۔ تو وہاں تو ایک سپاہی کی ذاتی صلاحیتوں، تربیت اور جرائت مندی کا امتحان ہوتا ہے۔ وہاں آنے والی گولی کو نہ تو کوئی سفارش روک سکتی ہے اور نہ ہی رشوت اس کا منہ موڑ سکتی ہے اور یوں بھی اس زمانے میں انگریزی فوج کی ضروریات بڑی محدود تھیں۔ اس لئے وہ اپنے چناؤ میں معیار کو گرنے نہیں دیتے تھے۔

سرور کی سپاہی کی حیثیت سے سب سے پہلی تعیناتی 2/8 بلوچ رجمنٹ میں ہوئی۔ اس کی ابتدائی تربیت حسب معمول بلوچ سنٹر میں ہوئی۔ جو ان دنوں کراچی میں ہوا کرتا تھا۔ اس کی پہلی یونٹ 2 بلوچ تھی۔ جسے آجکل 7 بلوچ کہا جاتا ہے۔ اس پلٹن میں سرور نے اپنی نوکری کا طویل ترین وقت گزارا اور وہیں وہ مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اور مختلف عہدوں پر ترقی پاتا ہوا 1941ء میں حوالدار کے عہدے تک پہنچا اور اگر جنگ عظیم دوئم شروع نہ ہوتی تو سرور بھی اپنے جیسے ہر بھرتی ہونے والے سپاہی کی مانند زیادہ سے زیادہ صوبیدار میجر یا پھر اس کے اوپر اعزازی رینک پانے کی تمنا کرتا اور شاید حاصل بھی کرتا اور ریٹائر ہو جاتا۔ لیکن جب 1939ء میں جنگ شروع ہوئی تو انگریزوں کی انڈین آرمی جو کہ ہندوستانی فوجیوں پر ہی مشتمل تھی۔ ایک دم سے بڑھی اور اس میں نہ صرف جوانوں کی بلکہ جونیئر کمشنڈ آفیسرز کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا اور برصغیر کے جوانوں کے لئے آفیسر کمیشن کے در بھی بڑی حد تک وا ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کو شروع ہوئے دو سال سے اوپر ہو چکے تھے۔ جب 1941ء میں سرور کو بھی

رائل انڈین سروس کور میں وائسرائے کمشنڈ آفیسر (جو کہ اب جے۔ سی۔ او یا جونیئر کمشنڈ آفیسر کہلاتے ہیں) کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا اور آرمی سروس کور کے سکول میں ہی اسے سروس کور کی ضروریات کے مطابق تربیت دی گئی اور جب یہ تربیت مکمل ہوئی تو اسی کور کے سکول میں بطور انسٹرکٹر متعین کر دیا گیا۔ یہ فوجی روایت ہے کہ فوجی سکول میں تربیت پانے والے طلباء میں جو اچھا گریڈ حاصل کرتا ہے۔ اسے اسی سکول میں بطور انسٹرکٹر یعنی استاد کے لے لیا جاتا ہے اور یہ سرور کی اعلیٰ صلاحیتوں کا پہلا اعتراف تھا۔ اگرچہ سرور فائٹنگ آرم یعنی لڑنے والی فوج سے تھا اور سروس کور ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جنہیں غیر جنگی فورس سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس نے اپنی صلاحیتوں کا یہاں بھی اعتراف کروایا۔

اس نے سکول میں دو سال تک انسٹرکٹری کی اور وہاں ہی وہ صوبیدار کے عہدے تک پہنچا۔ جنگ پورے زوروں پر تھی اور اب اس کی ضروریات دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں برطانوی فوج نے ہنگامی ضرورت کے تحت ہنگامی کمیشن بھی عطا کرنی شروع کر دی تھی۔ جسے ایمرجنسی کمیشن کہا جاتا تھا۔ اصولاً یہ کمیشن صرف ہنگامی حالات کے تقاضوں کے تحت ہنگامی طور پر صرف ہنگامی دور کے لئے ہوتا تھا اور اس کے تحت لئے جانے والوں کی نوکری بڑی ہی غیر اعتباری اور کچی ہوتی تھی۔ یعنی جونہی ہنگامی حالت ختم ہونے کے بعد حالات نارمل ہوں۔ ان لوگوں کو فارغ کر دیا جائے۔ لیکن اس وقت دور دور تک کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملک تقسیم ہو گا۔ پاکستان وجود میں آئے گا اور یہ ہنگامی سروس میں لئے جانے والے فوجی بھی تیس تیس سال تک نوکری کرتے رہیں گے۔

1943ء میں سرور کو اسی ہنگامی کمیشن کے لئے منتخب کیا گیا اور صوبیدار سے ترقی دے کر سیکنڈ لیفٹننٹ کے طور پر کمیشن عطا کی گئی۔ یوں سرور جس نے اپنی فوجی زندگی کا آغاز 1929ء میں سپاہی کی حیثیت سے کیا۔ اپنی قابلیت، محنت شاقہ اور فوجی مہارت کے بل بوتے پر چودہ سال کے عرصے میں سپاہی سے افسر کے عہدے تک ترقی پانے میں کامیاب ہوا۔ اب وہ ”کرنل محمد خان کی بجنگ آمد“ کی اصطلاح کے مطابق نیم لیفٹین ہو چکے تھے۔ نیم سے آگے کی ترقی یعنی دوسرا پھول ملنے پر دو نیم ہونا تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن سال بھر بعد ہی 27 اپریل 1944ء میں اس کے شانے دوسرے پھول سے بھی مزین ہو چکے تھے اور دو مہینے کے قلیل عرصے میں ہی انہیں عارضی کپتان کی حیثیت سے بھی ترقی مل گئی۔

15 مارچ 1946ء میں سرور کو 3 پنجاب میں بھیج دیا گیا اور اس کے کچھ عرصے کے بعد اسے موجودہ فرسٹ پنجاب رجمنٹ میں منتقل کر دیا گیا اور 30 دسمبر 1946ء میں انہیں 2/1 پنجاب رجمنٹ میں ٹرانسفر کیا گیا۔ جہاں اس نے آخری دم تک اپنے فرض کی ادائیگی کی۔

اس طرح سرور جس نے اپنے کیریئر کا آغاز بلوچ رجمنٹ سے کیا تھا۔ مختلف مراحل سے گزرتا ہوا مختلف آرمز اور سروسز میں خدمات سرانجام دیتا ہوا 2/1 پنجاب رجمنٹ تک پہنچا۔ بہ الفاظ دیگر یہ وہ یونٹ تھی۔ جس کی قسمت میں یہ مقدر تھا کہ وہ سرور کی کارکردگی پر نشان حیدر کی حامل پہلی یونٹ کا اعزاز

پائے اور سرور کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی ہمیشہ فخر سے لیا جائے۔ کون جانتا تھا کہ سرور جس نے اپنی سروس کا آغاز انگریز کی نوکری سے کیا اور پھر اسی انگریز کے عہد حکومت میں عارضی کمیشن ملی۔ جو خالصتاً ہنگامی ضروریات کے تحت عطا کی گئی تھی۔ اسے اس دوران تو کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دینے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد کشمیر کے ہنگامی حالات میں اسے اپنا نذرانہ جان پیش کر کے تاریخ میں اپنا نام روشن کرنے کا موقع ملے گا۔

ڈرامہ نشان حیدر

پس منظر اور پیش منظر

ہر ملک اور ہر قوم کے اپنے اپنے ہیروز (HEROES) ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ایسی ایسی قربانیاں دی ہوتی ہیں اور ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیئے ہوتے ہیں کہ ان پر اس ملک کا ہر فرد بجا طور پر فخر کرتا ہے۔ ان کی داستانیں دہرائی جاتی ہیں، قلمبند کی جاتی ہیں، افسانے، کہانیاں، رزمیہ نظمیں، ڈرامے تحریر کئے جاتے ہیں۔ فلمیں بنائی جاتی ہیں، یادگاریں قائم کی جاتی ہیں، جگہیں موسوم کی جاتی ہیں، قصے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ آنے والی نسلیں ان کے ان کارناموں سے فیضان حاصل کریں۔ اور ہر شخص کو ہر زمانے میں اس امر کا احساس ہو کہ ہماری آج کی عافیت اور آرام و سکون کی زندگی انہی بہادروں اور شہیدوں کی مرہون منت ہے۔

جنہوں نے اپنا آج ہمارے آنیوالے کل کیلئے قربان کر دیا تھا

ملک کے سپاہی تو اپنی داستانیں اپنے خون سے رقم کرتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے ان میں سے بیشتر تو اپنی جانیں ملک اور قوم کیلئے اس طرح قربان کر دیتے ہیں کہ کوئی جانتا بھی نہیں، کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا، کہ وہ کون کون تھے؟ ہاں البتہ ان میں سے چند ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی بہادری اور کارکردگی اس پائے کی ہوتی ہے کہ جس کی بنا پر یا جس کے اعتراف میں انہیں اعلیٰ فوجی اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ ہمارے ملک

کا اعلیٰ ترین فوجی اعزاز "نشان حیدر" ہے۔
انگریزی فوج میں یہ "وکٹوریہ کراس" کے برابر ہے اور بھارتی فوج میں یہ "مہاویر چکر" کے مساوی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلے نشان حیدر کے اس اعزاز کو حاصل کرنے والے کیپٹن راجہ محمد سرور شہید تھے جنہیں یہ اعزاز کشمیر میں ہونے والی پہلی جنگ میں چکوٹھی کے محاذ پر ملا تھا لیکن کتنا عجیب اتفاق ہے کہ اگرچہ کیپٹن سرور 28 ر 27 جولائی 1948ء کی رات کو اپنے دیے گئے مشن کو پورا کرنے کی کوشش میں شہید ہوئے تھے لیکن سرکاری طور پر انہیں یہ اعزاز پس از مرگ 1956ء میں ایک خاص اعلان کے تحت دیا گیا۔ ان پاکستانی اعزازات کی پاکستان کے ری پبلک بننے کے بعد ابتدا ہوئی۔
اس طرح پہلے نشان حیدر کا اعلان اصل واقعے کے آٹھ سال بعد کیا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک سات مزید فوجیوں کو اس اعلیٰ ترین اعزاز کے قابل سمجھا گیا۔ اس اعزاز کو پانے والے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اپنا کارنامہ BEYOND THE CALL OF DUTY ———— یعنی فرائض منصبی کے تقاضوں سے کہیں بڑھ کے سرانجام دیا ہو۔ یہاں تک کہ ایسا کرتے ہوئے اس نے اپنی زندگی تک داؤ پر لگا دی ہو۔ یہی کسی ایک انسان کی قربانی کی انتہا ہوتی ہے کہ وہ نذرانہ زندگی پیش کر دے اور زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی...... یہ تو کہنا آسان ہوتا ہے کہ ہم اپنی جان تک قربان کر دیں گے لیکن جو جان قربان کرتے ہیں انہیں سب کی طرح بخوبی علم ہوتا ہے کہ یہ سودا تو صرف ایک بار چکایا جاتا ہے زندگی دوبارہ نہیں ملتی...... لیکن یہ تو ایک انسانی سوچ ہے ورنہ قرآن کریم تو کہتا ہے۔ "تم انہیں مردہ نہ کہو، یہ زندہ ہیں...................... اس طرح کہ تمہیں معلوم نہیں۔"

یہ تو صرف اسلام اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ملک، قوم، مذہب، اسلام اور خدا کی راہ میں جان دینے والوں کا رتبہ سب سے زیادہ بلند ہوتا ہے اور چونکہ آخرت پر ایمان ہمارے ایمان اور عقیدے کا جزو ہوتا ہے تو اس لئے ہمارے عقیدے کے مطابق آخرت میں شہیدوں کا مقام سب سے ارفع اور اعلیٰ ہو گا...... اور مذاہب میں تو اس تصور کا کوئی بدل ہی نہیں۔ بدل تو در کنار اس کا متبادل اور اتنے جامع معنی والا لفظ ہی ان کی لغت میں نہیں۔ حتیٰ کہ آواگون کے عقیدے پر یقین رکھنے والے یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اگر اس طرح جان نذر کرنے والا اگر "شہید" ہے تو پھر وہ اگلے جون میں کس شکل میں دوبارہ ظاہر ہو گا اور آیا اس کا نروان ہو گا بھی کہ نہیں؟
ہمارے جن آٹھ مایہ ناز ہیروز کو ملک کا یہ اعلیٰ ترین اعزاز یعنی نشان حیدر عطا کیا جا چکا ہے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ کیپٹن راجہ محمد سرور شہید — نشان حیدر — 1948ء چکوٹھی، کشمیر
2۔ میجر محمد طفیل شہید — نشان حیدر — 1958ء لکشمی پور۔ مشرقی پاکستان

3۔ میجر راجہ عبدالعزیز بھٹی شہید	نشان حیدر	1965ء	بی آر بی لاہور مغربی پاکستان
4۔ فلائٹ لیفٹننٹ راشد منہاس شہید	نشان حیدر	1971ء	مغربی پاکستان
5۔ میجر شبیر شریف شہید	نشان حیدر ستارہ جرأت	1971ء	سلیمانکی سیکٹر۔ مغربی پاکستان
6۔ لانس نائیک محمد محفوظ شہید	نشان حیدر	1971ء	واہگہ 'اٹاری' سیکٹر' مغربی پاکستان
7۔ میجر محمد اکرم شہید	نشان حیدر	1971ء	ہلی سیکٹر۔ مشرقی پاکستان
8۔ سوار محمد حسین شہید	نشان حیدر	1971ء	ظفروال شکر گڑھ سیکٹر مغربی پاکستان

جیسا کہ اوپر دی گئی تفاصیل سے واضح ہے کہ نشان حیدر کا یہ اعزاز ان میں سے ایک کو 1948ء کی جنگ کشمیر میں 'ایک کو 1958ء میں مشرقی پاکستان میں جنگ کے دوران نہیں بلکہ زمانہ امن میں ایک انتہائی بہادری کے کارنامے پر۔ ایک کو 1965ء کی جنگ میں 'مغربی پاکستان میں بقیہ پانچ میں سے چار کو مغربی پاکستان اور ایک کو مشرقی پاکستان میں 1971ء کی جنگ میں عطا کیا گیا۔ اس طرح سے گویا ایک کو کشمیر' دو کو مشرقی پاکستان' اور پانچ کو مغربی پاکستان میں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ ان میں سے پانچ بری افواج کے آفیسرز' دو بری افواج کے جوان اور ایک فضائیہ کا نوجوان افسر تھا۔ ہماری بحریہ ابھی تک اس اعزاز کے حصول سے محروم ہے اور ان تمام میں سے صرف ایک افسر ایسا تھا جس نے نشان حیدر پانے سے پہلے ستارۂ جرأت کا بہادری کا تمغہ بھی حاصل کیا تھا اور وہ تھے میجر شبیر شریف شہید۔

اگرچہ پہلے نشان حیدر کے عطا کئے جانے اور آخری کے دیے جانے میں پندرہ سال کا وقفہ ہے مگر ان آٹھ ہیروز کو ملک اور قوم سے متعارف کروانے اور ان کے کارناموں کو صحیح انداز میں پیش کرنے کے خیال کو عملی جامہ پہنانے میں مزید بتیس برس لگ گئے اور اسکے باوجود ان کے بارے میں اب تک صرف تین ڈرامے پیش کئے گئے ہیں۔ یعنی اب تک سرور شہید کے علاوہ صرف میجر محمد طفیل اور فلائٹ لیفٹننٹ راشد منہاس کے بارے میں ہی ڈرامے پیش کئے جاسکے ہیں اور باقی کے پانچ ابھی تک قوم اور ملک کی اس قسم کی توجہ کے منتظر ہیں۔ دیکھئے اب ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور انہیں تاریخی طور پر سلولائیڈ پر منتقل کرنے میں اور کتنا وقت لگتا ہے۔؟

سرور پر لکھے جانے اور ٹیلی کاسٹ کئے جانے والا اس سلسلے میں اپنی نوعیت کا پہلا ڈرامہ تھا اور چونکہ یہ ایک انتہائی اہم اور اپنی نوعیت کا انوکھا موضوع تھا اس لئے اس پر کچھ بھی کام کرنے سے پہلے بہت سوچ بچار اور احتیاط کی ضرورت تھی ______ اور شاید یہ ایک وجہ رہی ہو کہ جس کی بنا پر اس بارے میں اس سے پہلے کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی تھی۔ خیر اب جب اس موضوع کی اہمیت اور ضرورت کا احساس ہوا تو یہ ذمہ داری وزارت اطلاعات اور نشریات کو سونپی گئی۔ یوں اس وقت کے وزیر اطلاعات اور نشریات جناب راجہ ظفر الحق اور سیکرٹری اطلاعات لیفٹننٹ جنرل

مجیب الرحمٰن نے اس ذمہ داری کو بدرجہ اتم نباہنے کا بیڑا اٹھالیا چونکہ اس موضوع پر پہلی بار کوئی کام ہونے لگا تھا۔ اس لئے اس پر کام شروع کرنے سے پہلے ہر طرح کی احتیاط لازم تھی تاکہ یہ اوّلین کام ایسے معیار اور اس پائے کا ہو کہ کوئی قاری یا ناظریہ اعتراض نہ کر سکے کہ یہ سب کچھ حقائق سے ہٹ کے ہے، بلکہ یہ آئندہ پیش کئے جانے والے ڈراموں کیلئے بھی ایک مثال کی شکل اختیار کرے۔

اب سب سے پہلا اور اہم کام اس موضوع پر تحقیق اور سکرپٹ لکھوانا تھا جب یہ ذمہ داری ٹی وی کے حکام کے سپرد کی گئی تو ان کو یہ بات بڑے اہتمام سے جتائی گئی کہ چونکہ یہ ڈرامہ عام ڈراموں کا سا نہیں۔ اس لئے سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہونی چاہئے کہ اسے لکھنے کیلئے ایسا مصنف چنا جائے جو بنیادی طور پر فوجی زندگی، اس کی روایات اور ڈرامہ لکھنے کے فن، دونوں سے پورے طور پر آگاہ ہو تاکہ ڈرامے کی ضروریات پر حقائق نہ قربان ہو جائیں اور حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے ڈرامے کی تکنیک سے انحراف نہ کیا جائے۔

اس طرح سرور شہید کے اس کارنامے پر ڈرامہ لکھنے کیلئے قرعہ فال راقم الحروف کے نام نکلا۔ میں نے ٹی وی کیلئے خاصی تعداد میں ڈرامے لکھے ہیں۔ ان میں سے بیشتر راولپنڈی اسٹیشن کے ابتدائی دور میں یعنی 68-1967ء کے دوران راولپنڈی اسلام آباد سے ٹیلی کاسٹ ہوئے تھے، جو بعد میں کتابی شکل میں اپنے ہی ایک ڈرامے کے نام پر "چاندی کے تار" کے عنوان سے طبع ہوئے۔

ایک دن اچانک اپنے پرانے دوست ڈائریکٹر پروگرامز فضل کمال کا فون ملا۔ آؤ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے جس زمانے میں مذکورہ ڈرامے لکھے تھے۔ فضل کمال پنڈی اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن کے پروگرام منیجر ہوئے کرتے تھے۔ ان سے تبھی سے بڑے اچھے تعلقات کی بنیاد پڑی تھی اور گاہے گاہے ملاقات بھی ہوتی رہتی تھی۔

اب جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے نشان حیدر کے پروگرام کا بتایا چونکہ یہ ایک قومی نوعیت کا نہایت اہم پراجیکٹ تھا۔ اس لئے اس پر کام کرنے کیلئے فخریہ حامی بھرلی۔ اور پھر ایک حسن اتفاق یہ بھی تھا کہ اس معرکے سے ذاتی دلچسپی کی بنا پر بہت سی ایسی معلومات علم میں تھیں جو شاید ایک نیا لکھنے والا عام حالات میں کہیں سے بہ آسانی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً جس زمانے میں یہ کارنامہ وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس زمانے میں ہمارا قیام مری سنی بنک فلیٹس میں تھا۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ کیپٹن خالد مرحوم اسی زمانے میں کشمیر کے محاذ پر ہوا کرتے تھے۔ سنی بنک کے جس فلیٹ میں ہمارا قیام تھا۔ اس کے اوپر والے فلیٹ میں کیپٹن خالد کے والد ڈاکٹر بٹ صاحب اپنی فیملی کے دوسرے افراد کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ کیپٹن خالد کبھی کبھار ویک اینڈ پر مری آیا کرتے تھے۔ میاں بیوی جب سیر کے لئے نکلتے تھے تو لوگ اس جوڑے کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے تھے اور سب کہا کرتے تھے کہ یہ مری کا حسین ترین جوڑا ہے۔

ایک دن صبح سویرے اچانک رونے دھونے کی آواز سن کے جب ہم باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ کیپٹن خالد کی لاش آئی ہے۔ وہ پانڈو کے محاذ پر شہید ہوگئے ہیں۔ ہم سب ہمسایوں نے مل کر ان کا جسد خاکی آرمی کے ٹرک سے اتارا۔ وہ اپنی وردی میں ملبوس ایسے لگتے تھے کہ جیسے آرام کی نیند سو رہے ہوں۔ جب لاش اتاری تو دیکھا کہ ان کے کپڑوں سے خون اس وقت بھی رس رس کر آ رہا تھا حالانکہ انہیں تو شہید ہوئے بھی تین روز گزر چکے تھے۔

شہید کی لاش کے ساتھ ان کا اردلی آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ کس بہادری سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ پانڈو کے محاذ جنگ پر وہ بی بی ڈوری کے مقام پر تھے۔ جب جنگ نے شدت پکڑی اور دشمن کی خود کار گنوں کی زد میں آ گئے تو کیپٹن خالد کے ساتھی قبائلی لشکری دشمن کے فائر کی شدت سے گھبرا کے پیچھے ہٹ گئے مگر اس شیر جوان نے جان دے دی لیکن پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا اور آخر دم تک اپنا مورچہ نہیں چھوڑا۔ حتیٰ کہ دشمن کی گولیوں نے انہیں چھلنی کر کے رکھ دیا۔

اردلی اپنے ساتھ کیپٹن خالد کا کچھ ذاتی سامان بھی لایا تھا جس میں ان کی کالی عینک اور کچھ روپے پیسے تھے جو ان کی جیب سے نکلے تھے اور جو ایک رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ اس نے گھر والوں کے حوالے کرنا چاہے تو گھر والوں نے سوائے چند ذاتی اشیاء کے سب کچھ اردلی کو ہی دے دیا اور کہا کہ تم اپنے پاس ہی رکھو۔ اس اردلی نے اس معرکے کی جو تفاصیل ہمیں اس وقت یعنی آج سے ٹھیک تینتالیس سال پہلے بیان کی تھیں۔ وہ آج بھی حافظے میں اسی طرح محفوظ ہیں۔ جیسے کسی نے ابھی ابھی لمحے بھر پہلے بیان کی ہوں۔ ویسے بھی اس جوان رعنا کی بے وقت موت کا ہم بھی دوستوں پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا اور مری کے ان تمام لوگوں پر بھی جنھوں نے اکثر انہیں مال پر چہل قدمی کرتے دیکھا تھا۔

پھر اس کے بعد جب میری مری ڈویژن میں پوسٹنگ ہوئی تو پہلی بار چکوٹھی جانے کا اتفاق ہوا جہاں اتفاق سے اس وقت ایک بار پھر سرور شہید کی پلٹن 1 ر 2 پنجاب تعینات تھی۔ وہاں یونٹ کے لوگوں نے تل پتڑا کا یہ معرکہ پوری تفصیل کے ساتھ نقشوں اور ماڈل کی مدد سے بتایا جس کی جزویات حافظے میں نقش ہو کر رہ گئیں۔ اس وقت تک تو یہ سان گمان بھی نہیں تھا کہ یہ معلومات ایک دن ہمارے ڈرامہ لکھنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

اب ڈرامے کی پروڈکشن اور ہدایات کاری کا سوال اٹھا تو اس کے لئے اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن کے ڈائریکٹر ٹریننگ اکیڈمی کنور آفتاب کو چنا گیا۔ جن کا ڈرامے کی فیلڈ میں اپنا ہی نام اور مقام تھا۔ یہاں ایک اور حسن اتفاق یہ ہوا کہ کنور آفتاب سے میرا پاکستان بننے کے زمانے سے تعلق تھا ______________ وہ ہمارے ساتھ گارڈن کالج میں پڑھتے تھے اور ہم سے دو سال جونیئر طالب علم تھے اور چونکہ انہیں بھی شروع سے ہی ڈرامے سے شغف تھا اور ہم پاکستان بننے سے پہلے سے گارڈن کالج ڈرامیٹک کلب کے کرتا دھرتوں میں سے تھے۔ اس لئے ان

سے لامحالہ تعلق ہونا تھا۔ اس تفصیل کے بتانے کا مقصد اور ضرورت اس لئے سمجھی گئی ہے کہ قاری کو علم ہو کہ اگر مصنف اور ہدایت کار میں ذہنی مطابقت ہو تو اس نوعیت کے پروگراموں کی تکمیل میں نہ صرف بڑی مدد ملتی ہے بلکہ نتائج بھی توقع سے کہیں زیادہ امید افزا ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سا وقت غیر ضروری بحث مباحثے میں الجھنے سے بچ جاتا ہے۔

ہم دونوں نے مل کے ڈرامے کی مختلف ضروریات اور پہلوؤں پر بحث کی اور یوں تحقیق کا آغاز کیا۔ ہمارے لئے سب سے اولین اور اہم کام اس فوجی آپریشن کے بارے میں ضروری اور مصدقہ تفصیلات کا حصول تھا۔ سب سے پہلے تو ہم نے پاکستان آرمی کی آفیشل ہسٹری KASHMIR CAMPAIGN ______ ______ سے رجوع کیا۔ جسے پڑھنے کے بعد اس لحاظ سے ہماری مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ اس پورے معرکے کو اس کتاب میں صرف اور صرف آٹھ سطروں میں سمیٹا گیا تھا۔ اگرچہ اس کتاب سے ہمیں خاصی حد تک بیک گراؤنڈ میٹریل دستیاب ہوا لیکن سچ تو یہ ہے کہ جب وہ کتاب لکھی گئی تھی اس وقت لکھنے والوں کے ذہن میں دور دور تک بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ کبھی یہ تحریر کوئی ڈرامہ تیار کرنے میں درکار ہوگی۔

اب اس فیصلے کے بعد کہ ڈرامہ مجھے تحریر کرنا ہو گا اور ہدایت کاری اور پیشکش کنور آفتاب کی ہو گی۔ ہم دونوں سے کہا گیا کہ تم جنرل مجیب الرحمٰن سے مل کے اس بارے میں مزید ضروری ہدایات حاصل کرو۔ عجیب اتفاق تھا کہ اس وقت تک میری اٹھائیس انتیس سال کی فوجی زندگی ہو چکی تھی مگر اس طویل عرصے میں میری جنرل صاحب سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ جنرل صاحب سے ہماری ملاقات بڑی حد تک سود مند ثابت ہوئی۔ انہوں نے جہاں ان لوگوں کے نام پتے دیے جن سے ضروری معلومات اور تفصیلات مل سکتی تھیں۔ وہاں انہوں نے بعض بڑے صائب مشورے بھی دیئے۔ جن میں سے ایک اہم مشورہ یہ تھا کہ "خیال رکھنا کہ ان واقعات اور لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ MYTHS (ماورائی باتیں) بھی منسوب ہو گئی ہیں۔ تم نے نہ تو ان MYTHS کو توڑنے کی کوشش کرنی ہے اور نہ ہی نئی پیدا کرنی ہیں۔"

یہ فی الواقع ایک بڑا صائب مشورہ تھا کیونکہ بہادری یا بہادری کے کارنامے سرانجام دینے والے کوئی فلمی ہیروز تو نہیں ہوتے کہ جن کی ایک للکار سے دشمن کا پتہ پانی ہو جائے۔ وہ خالی ہاتھوں سے جس طرف رخ کریں، کشتوں کے پشتے لگ جائیں اور جب لڑائی ختم ہو تو ان کے لباس پر شکن تک نہ پڑی ہو وہ بھی ہماری طرح آپ کی طرح گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں۔ انہیں گولی لگتی ہے تو خون بھی بہتا ہے، وہ دشمن کو ختم کرتے کرتے خود بھی ختم ہو سکتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات ضروری نہیں کوئی یہ پیش گوئی کسی کے بارے میں کر سکے کہ وقت آنے پر یہ شخص ایسا کارنامہ سرانجام دے گا کہ رہتی دنیا تک لوگ اسے یاد کریں گے۔

اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہادری ماپنے کا آخر کیا پیمانہ ہوتا ہے یا یہ کہ کیا ہونا چاہئے۔ جہاں تک نشان حیدر کا تعلق ہے اس کے لئے تقریباً وہی معیار قائم کیا گیا ہے جو انگریز نے اپنی فوج کے اعلیٰ ترین اعزاز وکٹوریہ کراس عطا کرنے کیلئے رکھا ہوا تھا یعنی کوئی شخص ایسی بے جگری سے لڑے کہ جو اس کے ادائیگیٔ فرض کی ضرورت سے کہیں بڑھ کے ہو۔ یعنی ان کی زبان میں BEYOND THE CALL OF DUTY (فرض کی پکار سے بڑھ کر) ہو اور ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرے اور بہادری کا یہ کارنامہ ایک قابل تقلید مثال قائم کرے۔ لیکن انگریز فوج میں ہمیشہ یہ روایت رہی ہے کہ وہ اس قسم کی بہادری کا کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے زندہ بچ جانے والے فوجیوں کو بھی اپنے اس اعلیٰ ترین اعزاز وکٹوریہ کراس سے نوازتے رہے ہیں۔ گویا کہ ان کے نزدیک ایسے لوگ چلتے پھرتے بہادری کے زندہ جاوید نشان ہوا کرتے تھے۔ ہمارے اپنے ملک میں ایک ایسے سپاہی آنریری کیپٹن خداداد وکٹوریہ کراس ہوا کرتے تھے جو پاکستان بننے کے کئی سال کے بعد فوت ہوئے تھے۔ ان کا مجسمہ آج بھی جی ایچ کیو کے نزدیک واقع آرمی میوزیم میں استادہ ہے۔

ایسے لوگوں کی فوجی تقریبات میں بہت خصوصی آؤ بھگت ہوا کرتی تھی۔ انہیں ہر اہم تقریب پر بطور مہمان خصوصی مدعو کیا جاتا تھا۔ ان کے لئے سپیشل نشست گاہ ہوتی تھی جو کہ اہم شخصیات کے ساتھ ہوتی تھی اور وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والے کے گاؤں تک خواہ وہ کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو پکی سڑک بنا کر دی جاتی تھی اور ایسی دوسری ممکنہ سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کسی ایک سامراجی قوم کا اپنی خدمت کرنے والوں کو خوش کرنے کا ایک انداز تھا لیکن پھر بھی ہر ملک اپنے ایسے جیالوں کی خدمات کا کسی نہ کسی طرح اعتراف تو ضرور کرتا ہے۔ جو ضروری نہیں کہ صرف اسکی ذات تک محدود ہو بلکہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کی ذات سے متعلقہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ یہ بھی ان کے جذبے کے اعتراف کا ایک اندازہ تھا جو اسکے علاقے کے لوگوں کے لئے صرف باعث افتخار اور مسرت ہوتا تھا بلکہ ان میں ایسی خدمات ادا کر کے ویسے انعامات حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کا سبب بنتا تھا۔

ابتدائی زمانے کی اسلامی فوج میں ایسے تمغے عطا کرنے کا رواج نہیں تھا بلکہ اس زمانے کی کسی فوج میں بھی نہیں ہوتا تھا۔ ہاں البتہ بعض بہادر لوگوں کے قصے مشہور ہوتے تھے۔ لوگ انہیں مختلف ناموں ' القابات وغیرہ سے یاد رکھتے تھے۔ جیسے شیر خان 'شیر دل 'عظیم 'گریٹ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اسلام کے ایک سپاہی کو رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے جو خطاب عطا فرمایا اس کی مثال نہیں۔ انہوںؐ نے خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب عطا فرمایا تھا اور خالد بن ولیدؓ نے فی الواقع خود کو اللہ کی تلوار ثابت کر دکھایا۔ روایت ہے کہ خالدؓ بن ولید جب اپنی آخری عمر کو پہنچے تو ایک دن ان کے ایک دوست ملنے کیلئے آئے اور انہیں بہت غمگین پایا' وجہ پوچھی تو انہوں نے اپنے جسم سے کپڑا اٹھا کے دکھایا کہ دیکھو میرے تمام جسم پر انگلی برابر جگہ نہیں ' جہاں زخم نہ لگا ہو اور تمام زخم میرے سامنے کے دھڑ پر ہیں۔

میری پیٹھ پر کوئی زخم نہیں ،میں نے کتنی ہی جنگوں میں حصہ لیالیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت کے رتبے سے محروم رکھااور آج میں میدان جنگ میں شہید ہونے کی بجائے یہاں بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا ہوں۔ آخر میں شہادت کے اعزاز سے کیوں محروم رہا۔ ؟

ان کے دوست نے کہا" خالد ! آپ سیف اللہ ہیں' یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ کوئی اللہ کی تلوار کو زیر کر سکے ۔ اگر خدانخواستہ ایسا کبھی ہو جاتا تو کفار کو طنز کرنے کا موقع مل جاتا۔"

غرضیکہ اسلام میں تو صرف دو ہی اعزازات تھے ۔ زندہ ہیں تو غازی 'مر گئے تو شہید۔

نہ کوئی میڈل 'نہ کوئی تمغہ 'نہ کوئی تقریب 'نہ کوئی تفاخر۔

پھر بھی وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا' پھر جنگ احد میں حصہ لیا۔ تمام مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کیلئے جو عزت و وقار تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔

زمانے کے ساتھ ساتھ ہمارے ہاں بھی دنیا بھر کے مرّوجہ طریقہ کار کے مطابق تمغوں اور اعزازت کا سلسلہ قائم ہے ۔ البتہ ہمارے ہاں ابُ تک یہ روایت رہی ہے کہ نشان حیدر کا اعلیٰ ترین اعزاز ابھی تک تو صرف پس از مرگ ہی عطا کیا جاتا رہا ہے اور اب یہ روایت اس طرح پڑ چکی ہے کہ شاید اسکا تبدیل کرنا اتنا آسان اور ممکن نہ ہو۔ کیونکہ بہرکیف بہادری کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کرنے والوں کے بارے میں لوگ ایسی آراء قائم کر لیتے ہیں کہ جیسے وہ کوئی دیومالائی مخلوق ہوں۔ ان سے بڑی بڑی توقعات رکھی جاتی ہیں اور ہر شخص ہمیشہ یہی توقع رکھتا ہے کہ جب کبھی کوئی ایسا موقعہ دوبارہ آئے تو وہ ویسی ہی بہادری کا پھر سے مظاہرہ کریں جو کہ فی زمانہ تو شاید ممکن نہ ہو۔ ہاں البتہ جب دوبدو تلوار سے جنگ ہوتی تھی۔ تب تو ایسا عین ممکن ہوتا تھالیکن اب حالات اور وقت کے تقاضے خاصے مختلف ہو گئے ہیں۔ اس لئے جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے۔ اس بات کا اغلب امکان ہے کہ یہاں یہ اعزاز شاید پس از مرگ ہی عطا ہوں......اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اگر آئندہ کی کوئی جنگ خلیج کی جنگ کی مانند "ہائی ٹیک وار" ہوئی تو اعلیٰ ترین اعزاز جنرل شوازکوف جیسے اعلیٰ فوجی دماغوں اور کمانڈروں تک ہی محدود ہو کر رہ جائیں کہ ان کی اعلیٰ پلاننگ اور فائر پاور کی بنا پر دشمن تو نیست و نابود ہو جائے لیکن اپنا نقصان نہ ہونے کے برابر ہو۔ اور جنگ بھی دنوں اور شاید آنے والے زمانے میں صرف چند گھنٹوں میں ختم ہو جائے۔ کیونکہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ آئندہ کی جنگ یا تو ہو گی ہی نہیں یا پھر جوہری جنگ ہو گی جس میں شاید فاتح اور مفتوح دونوں کا مقدر ایک سا ہی ہو ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نشان حیدر جیسے اعلیٰ اعزازات کس نوعیت کے حالات میں دیئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلی شرط تو ہم بیان ہی کر چکے ہیں یہی کہ اپنے فرائض کے تقاضوں سے بڑھ کے کوئی کام سرانجام دے اور اس میں اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا کام وہ ملک کے دشمن کے خلاف کرے (خواہ وہ میدان جنگ ہو یا حالت جنگ' یا ایسی ہی کوئی صورت ہو) تیسرے یہ کہ

ایسا کارنامہ دینے والے کیلئے دو مختلف چشم دید گواہوں کی شہادت بھی موجود ہو۔
یوں جب بھی کسی فوجی کا نام کسی اعلیٰ اعزاز کیلئے تجویز کیا جاتا ہے تو اسکے لئے باقاعدہ ایک خاص قسم کا مجوزہ فارم پُر کیا جانا لازمی ہوتا ہے جس میں اسکے تمام کوائف اور اس نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہوتا ہے۔ اس کا مختصر خاکہ لکھنا لازمی ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کا جتنا زور بیان صرف کر کے خاکہ لکھا جائے اس کا اتنا ہی مانے جانے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ بہرکیف پھر اس کی بیس کاپیاں تیار کی جاتی ہیں چونکہ انہیں مختلف مراحل یعنی پلٹن سے بریگیڈ، ڈویژن، کور ہیڈکوارٹرز سے گزر کے جنرل ہیڈ کوارٹرز پہنچنا ہوتا ہے وہاں ایک مقرر کردہ کمیٹی ایسی تمام سفارشات کا بغور مطالعہ کر کے اپنی حتمی رپورٹ تیار کر کے وزارت دفاع کو بھیجتی ہے اور پھر وہاں سے حکومت کی جانب سے آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ گویا ان سفارشات کو اتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور جہاں ہر مرحلے پر چھان پھٹک ہوتی جاتی ہے کہ نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ کس مرحلے پر کس کا نام آگے بھیجا جائے گا' کس کا نہیں بھیجا جائے گا' یا کس کو اعلیٰ ترین کی بجائے اس سے نچلے اعزاز کیلئے موزوں گردانا جائے گا اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ ایسے سینکڑوں تجویز کردہ ناموں میں سے صرف گنتی کے چند ہی اعلیٰ ترین اعزاز کے قابل سمجھے جاتے ہیں جیسے کہ کشمیر کی جنگ اور 1965ء کی جنگ میں صرف ایک ایک کو ہی نشان حیدر عطا ہوا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو رہ گئے وہ اسکے اہل نہیں تھے' بلکہ یہ تو بڑی عرق ریزی سے ایک یا ایک سے زیادہ ناموں کا چنا جانا ہوتا ہے اور یہ دیکھا جانا ہوتا ہے کہ سب سے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کس فرد نے کیا تھا۔

جس زمانے میں ہم لوگ انفنٹری سکول میں زیر تربیت تھے تو تربیت کے خاتمے پر ہمارے ایک ساتھی سیکنڈ لیفٹیننٹ حسنین نے سکول کے چیف انسٹرکٹر کرنل سردار علی (ملٹری کراس) سے ان کے الوداعی لیکچر کے بعد ایک سوال پوچھا۔

"سر! میدان جنگ میں شجاعت کا تمغہ حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ کیا ہوتا ہے؟"
ویسے تو یہ سوال ہی اپنی جگہ بے محل تھا مگر کرنل سردار علی جو کہ خود ملٹری کراس (ستارہ جرات کے برابر) کے حامل تھے انہوں نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"حسنین! اول تو میدان جنگ میں شجاعت کا تمغہ حاصل کرنے کا کوئی آسان طریقہ یا پھر شارٹ کٹ ہے ہی نہیں اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ شجاعت کے تمغے صرف سب سے بہادر ترین سپاہیوں کو ملے ہوں۔ بعض اوقات بعض حالات کے تحت انتہائی موزوں سپاہی نظر میں ہی نہیں آتے اور کئی بار ایسے لوگ اس کے لئے موزوں قرار پا جاتے ہیں جنہوں نے مقابلتاً کہیں کمتر کارنامہ سرانجام دیا ہوتا ہے اور

پچھلی جنگوں میں تو بسا اوقات ایسے بھی ہوتا رہا ہے کہ کوئی اعلیٰ فوجی افسر مثلاً کمانڈر ان چیف یا پھر سپریم کمانڈر کسی محاذ جنگ پر جب دورے پر جاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر اپنے ساتھ کچھ اعزازت لے جاتا ہے اور وہ وہیں وہاں کے حالات سن کر سپاہیوں کو تمغے عطا کر دیتا ہے۔ اس لئے بعض اوقات کچھ کم اہل لوگ تو اعزاز پا لیتے ہیں لیکن کہیں زیادہ حقدار رہ جاتے ہیں۔ ”

1965ء کی جنگ میں بالکل اسی نوعیت کی صورت حال ہمارے علم میں بھی آئی۔ 2 ستمبر کو اس وقت کے پاکستان آرمی کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد موسیٰ چھمب کی فتح کے دوسرے دن ہیلی کاپٹر میں ہمارے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں پہنچے۔ وہ چھمب کی فتح اور اس علاقے میں فوجی پیش قدمی سے اتنے خوش تھے کہ انہوں نے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں اعلان کیا۔ مجھے ابھی اور یہاں ان کے نام دو جن کو اعزازات سے نوازا جانا چاہئے۔ میں یہاں ہی ان کو اعزازات عطا کرنے کا اعلان کروں گا۔

ہم سب نے پلٹنوں کو فیلڈ ٹیلی فونوں پر اطلاع دی اور ان سے نام مانگے۔ آگے سے ان کا جواب تھا کہ ہم میدان جنگ میں ہیں۔ اپنے ساتھ کلرک اور ٹائپ رائٹر نہیں لائے ہیں۔ ہم اپنی سفارشات ان حالات میں کیونکر بھجوا سکتے ہیں۔

چار روز بعد بھارت نے لاہور اور سیالکوٹ پر حملہ کر دیا جس کی بنا پر تمام تر ترجیحات ہی بدل کے رہ گئیں اور اب ” حریف نگاہ کرم جنرل موسیٰ “ اور بھی بہت سے ہو گئے‘ اور دیکھ لیجئے کہ نشانِ حیدر کیلئے لاہور محاذ کے صرف ایک افسر کا نام آیا۔

کشمیر کے اس محاذ پر جہاں اعلیٰ کارکردگی کے کئی کارنامے سرانجام دیئے گئے تھے۔ جس کا اعتراف دوران جنگ پکڑے جانے والے قیدیوں نے بھی کیا اور سیزفائر کے بعد بھارتی افسران نے بھی لیکن 1965ء کی جنگ میں یہاں سے تو کسی کو نشان حیدر نہیں ملا۔ ہاں البتہ ستارۂ جرأت‘ تمغۂ جرأت اور ہلالِ جرأت سے کئی افسروں اور جوانوں کو نوازا گیا۔

ہمارے اس محاذ جنگ سے آرمڈ کور کے میجر رضا شاہ مرحوم کا نام نشان حیدر کیلئے بھیجا گیا تھا مگر اپنی تمام تر بہادری اور اعلیٰ کردگی کے باوجود وہ یہ اعزاز نہیں حاصل کر پائے۔ میجر رضا شاہ کو ستارۂ جرأت پس ازمرگ عطا کیا گیا۔

رضا شاہ کی کارگزاری کا مختصر ساذکر بے محل نہ ہو گا کیونکہ یہ ایک بے مثال کارنامہ تھا۔ اپنے ذاتی علم کے باوجود میں جنرل شوکت رضا کی کتاب THE PAKISTAN ARMY 1965 ______ سے اقتباس پیش کرنا زیادہ مناسب سمجھوں گا۔

جنرل صاحب لکھتے ہیں ” چارلی کمپنی نے ڈلہ پوسٹ سے صبح سات بجے رابطہ قائم کیا اور ایک تیز اور تند جھڑپ میں سکواڈرن اپنے تین ٹینک کھو بیٹھا۔ ایم 36۔ ٹینک شروع سے ہی مشکلات کا شکار تھے۔ میجر رضا شاہ کو عین لڑائی کے بیچ میں تین بار اپنا ٹینک تبدیل کرنا پڑا۔ اس سکواڈرن کے بیشتر ٹینک چک

پنڈت کی جھڑپ میں ضائع ہو گئے لیکن رضا شاہ نے نہ مڑ کے دیکھا' نہ دائیں بائیں' چک پنڈت سے چند سو گز اس طرف میدان جنگ میں صرف اس کا ہی ایک اکیلا ٹینک تھا اور اسکی بھی قسمت نے جواب دے دیا۔ کوئی نو بجے کے قریب دشمن کی ایک ریکائل لیس رائفل (ٹینک شکن ہتھیار) کا گولہ ٹینک کے پہلو میں لگا۔ ٹینک پھٹ گیا اور سوائے ڈرائیور کے ٹینک کے سبھی افراد نے جام شہادت نوش کیا۔ رضا شاہ ہر لحاظ سے ایک جوان رعنا افسر تھا۔ اسے اپنی بہادری کے کارنامے پر ستارۂ جرأت پس از مرگ عطا ہوا۔"

رضا شاہ کے ٹینک یکے بعد دیگرے یا تو خراب ہوتے رہے تھے۔ یا ریت میں پھنس گئے تھے اور وہ خود کو ایک کے بعد دوسرے ٹینک میں منتقل کر تا رہا اور اپنے ساتھیوں کو پیش قدمی کے لئے ابھار تا رہا۔ حتیٰ کہ دشمن کے ایک گولے نے اسے اور اسکے ٹینک دونوں کو ختم کر دیا۔

چھ ستمبر 1965ء کو جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا اور ہمیں لامحالہ اپنی افواج کے بڑے حصے کو چھمب جوڑیاں کے محاذ سے ہٹا کر دوسرے اہم مقامات پر منتقل کرنا پڑا۔ جس کی بنا پر اس علاقے میں ہماری پیش قدمی دفاعی صورت اختیار کر گئی۔ اسے بھارتی افواج بھی محسوس کر سکتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے خود کوری گروپ کر کے کھویا ہوا علاقہ دوبارہ چھیننے کی کوشش کی۔ یوں سات ستمبر کی رات انہوں نے ہمیں اپنے قدموں سے اکھاڑنے کیلئے پے در پے کئی حملے کئے۔ اس وقت ہماری فوج اکھنور سے صرف تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ بھارتی اپنی چھاؤنی کے دفاعی مورچوں سے نکلتے اور حملہ کرتے' پسپا ہوتے پھر حملہ کرتے حتیٰ کہ ان کے ٹینک بڑھتے بڑھتے محاذ کے بالکل اگلے مورچوں تک پہنچ گئے۔ بس اب انکی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ ہمارے دفاعی مورچوں کو روندتے ہوئے اور ہمارے فوجیوں کو کچلتے ہوئے نکل جائیں اور اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو جاتا تو شاید انہیں بہت دور تک کوئی مزاحمت نہ ملتی۔ کیونکہ ہماری بیشتر فوج تو لاہور اور سیالکوٹ کے محاذوں پر منتقل ہو چکی تھی لیکن ہمارے جوانوں نے جان کی بازی لگا دی ان کے ہر حملے کا منہ توڑ جواب دیا اور اپنی جگہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے اور بھارتی فوجی اپنے کھوئے ہوئے علاقے میں سے چپہ بھر بھی واپس نہ لے سکے۔

پہاڑی وال کے قریب 8 بلوچ نے دفاعی پوزیشن سنبھالی ہوئی تھی۔ بھارتی ٹینک بڑھتے بڑھتے اسکے سب سے اگلے مورچوں تک پہنچ گئے۔ حتیٰ کہ ان کے ٹینک سب سے اگلے دستے سے صرف دس گز یعنی تیس فٹ کے فاصلے تک پہنچ چکا تھا۔ ہمارے فوجی اپنے تمام ہتھیاروں سے اس پر فائر کر رہے تھے لیکن اس پر چھوٹے ہتھیاروں کی فائرنگ کا کیا اثر ہوتا۔ ایسے میں حوالدار عبداللہ کو کمپنی کمانڈر نے اپنے ٹینک شکن ہتھیار سے فائر کرنے کا حکم دیا جسے اس نے نعرۂ تکبیر لگا کے داغا' ٹینک بھی اسے دیکھ چکا تھا۔

اس نے بھی اسی دم فائر کیا۔ حوالدار عبداللہ کا گولہ اپنے ہدف پر لگا اور ٹینک کا خود کار نظام جام ہو گیا لیکن وہ تباہ نہیں ہوا۔ مگر اسکے اگلتے گولے نے حوالدار عبداللہ کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس دوران ٹینک کا کرنو اپنا ٹینک چھوڑ کے بھاگ اٹھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اگر وہ ٹینک اس پوزیشن کو روند نکلنے میں

کامیاب ہو جاتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔

سیز فائر کے بعد راقم حروف کو وہ ٹینک دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت تک وہ اپنے اسی مقام پر کھڑا تھا جہاں اسے روک دیا گیا تھا۔ قریب جا کے دیکھا تو اس پر غالباً ایک انچ بھی ایسی جگہ نہیں تھی جس پر گولی کا نشان نہیں ثبت تھا لیکن ایک عام ہتھیار کی گولی ٹینک کی انچوں موٹی فولادی چادر کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ بہرکیف ویسے ٹینک بالکل ٹھیک حالت میں تھا۔ بعد میں ہمارے جوانوں نے اسے دھکا دے کر اپنی صفوں کے پیچھے کر لیا تھا اور پھر اسے دھکا سٹارٹ کر کے محاذ سے نکال لائے۔

یوں دیکھا جائے تو بہادری اور شجاعت کے کئی کارنامے سننے کو ملیں گے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دشمن نے ہمارے کسی افسر کی یا جوان کی بہادری کی تعریف کی اور کہا کہ جس انداز میں اس نے ہمارا مقابلہ کیا وہ فی الواقعی اعلیٰ ترین اعزاز دیے جانے کے قابل ہے۔ 65ء کی ہی لڑائی میں بورے جال پر ایک اکیلا سکھ بڑی دیر تک ہماری پیش قدمی روکے رہا۔ بلا خر جب دستی حملہ کر کے سنگین سے زخمی کیا گیا تو اس نے ہتھیار ڈالے۔ جب اسے کہا گیا کہ تمہارے سارے ساتھی تو بھاگ گئے ہیں تم اکیلے یہاں کیوں لڑ رہے ہو۔ تو اس نے کہا

"اوئے۔ مسلیو ۔ تہانوں پتہ تے چلیا۔ لڑی دا کیویں ہن"

("او۔ مسلمانوں۔ تمہیں پتہ تو چل گیا ہو گا کہ لڑا کس طرح جاتا ہے")

ویسے فوجی روایات کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ بہادری کے کارناموں کے اعتراف میں (خواہ وہ دشمن سے ہی کیوں نہ سرزد ہوں) قطعی بخل سے کام نہ لیا جائے۔

پھر بھی مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہو گا کہ حالات' واقعات' مقامات' زمانوں کے مطابق بہادری کے اعلیٰ اعزازات عطا کئے جانے یا حاصل کئے جانے کے قطعی مختلف پیمانے بن جاتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے ایک کمانڈر نے اپنی کتاب میں لکھا کہ مجھے برٹش وار آفس کے اس انجینئر افسر پر رشک آتا ہے کہ جس کے سینے پر صرف ایک میڈل تھا۔ DISTINGUISHED SERVICE ORDER ______ یعنی ڈی۔ ایس۔ او ______ (ہمارے ہلال جرات کے برابر) دو BARS کے ساتھ یعنی اس نے یہ اعلیٰ اعزاز تین مرتبہ متواتر اپنی بہترین کارکردگی کی بنا پر حاصل کیا تھا۔

یا پھر ایک حیران کن بات یہ علم میں آئی کہ جب انگریزوں نے گلگت کو فتح کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو اس زمانے میں جس نوجوان مہم جو انگریز افسر کو اعلیٰ ترین فوجی اعزاز یعنی وکٹوریہ کراس حاصل کرنے کا شوق ہوتا۔ وہ خود کو گلگت کی جنگ میں شمولیت کے لئے والنٹیئر کر دیتا۔

یوں گلگت کے معرکوں میں کل سات عدد وکٹوریہ کراس عطا کئے گئے تھے جو غالباً غیر منقسم ہندوستان

کے کسی بھی میدان جنگ میں عطا کئے جانے والے وکٹوریہ کراسوں کی سب سے بڑی تعداد ہے۔

وکٹوریہ کراس ہمارے نشان حیدر کے برابر گردانا جاتا ہے۔ انگریزوں نے اپنے اس میڈل کے سلسلے میں بھی اپنی روایتی روایت پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ میڈل 1860ء میں ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں پہلی بار قائم کیا گیا تھا اور اسے توپ کی دھات سے ڈھالا گیا تھا جو جنگ کریمیا میں انہوں نے سیبسٹاپول (SEBESTAPOL) کے مقام پر دشمن سے چھینی تھی اور اب تک اسکی دھات سے ڈھالے گئے میڈل دیئے جارہے ہیں۔

بات سے بات نکلتی چلی آئی۔ وگرنہ ہم تو بیان کررہے تھے کہ ہم نے کیپٹن سرور شہید کے بارے میں اور اس معرکے کے بارے میں جس میں اس نے حصہ لیا تھا اور جس کی بنا پر اسے نشان حیدر ملا تھا۔ اپنی تحقیق اور ضروری معلومات کے حصول کا آغاز کیا تاکہ اس سلسلے میں تمام تر ضروری تفصیلات جہاں سے اور جس حد تک مل سکیں حاصل کی جائیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ ہماری ابتدائی الواقعہ بڑی مایوس کن تھی۔ سرکاری تاریخ تو تمام تر معرکہ کشمیر پر مشتمل تھی۔ جس میں تل پترا کا یہ معرکہ کیے از محاذ جنگ کا واقعہ تھا اور اس میں سرور شہید کا صرف نام کی حد تک ذکر تھا۔ اب ہم نے کچھ ان کتابوں سے مدد لینے کی کوشش کی جو ایک دو حضرات نے اپنے طور پر ان ہیروز کے بارے میں لکھی تھیں۔ اگرچہ ان کو آفیشل یا قطعی سند نہیں گردانا جاسکتا تھا مگر پھر بھی نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر سمجھا۔ اور ان سے بڑی محدود نوعیت کی مدد ملی اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس واقعے کو اب اتنے برس گزر چکے تھے کہ مزید مواد کا حصول ایک مسئلہ بن گیا۔ کیونکہ وہ تمام افسران یا جوان جنہوں نے اس معرکہ میں حصہ لیا تھا نہ صرف فوج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ادھر ادھر بکھر چکے تھے بلکہ کئی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ درحقیقت وہی اس معرکے کا آنکھوں دیکھا حال بتا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مقامات سے بھی وہ دستاویزات نہیں مل سکیں جو کہ عام طور پر ایسے واقعات کا مکمل ریکارڈ رکھتے ہیں۔ اس صورت حال کی بظاہر جو وجوہات ہم سمجھ پائے۔ وہ مندرجہ ذیل تھیں۔

(1) پاکستان بننے کے بعد یہ پہلی جنگ تھی جو پاکستان پر تھوپ دی گئی تھی اور پاکستان کو بڑے عرصے تک پس پردہ رہ کے لڑائی لڑنی پڑ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان نہ تو اپنا توپ خانہ استعمال کررہا تھا اور نہ ہی ہوائی فوج۔ جبکہ بھارت بلاخوف وخطر اس کا استعمال کررہا تھا۔ بہ الفاظ دیگر ہمیں یہ جنگ اپنا ایک ہاتھ پشت پر باندھ کے لڑنی پڑ رہی تھی اور یہی وہ جنگ تھی کہ جس میں جب قائداعظم نے اپنے انگریز کمانڈر ان چیف کو فوج بھیجنے کو کہا تو اس نے انکار کردیا تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کشمیر کے محاذ پر بعض انگریز افسروں نے اپنی پلٹون کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا تھا اور ان کے شانہ بہ شانہ لڑے تھے۔

(2) پاکستان اگست میں وجود میں آیا اور ہم پر یہ جنگ اکتوبر میں ٹھونس دی گئی۔ ہماری بیشتر فوج ابھی تک جنگ عظیم کے مختلف محاذوں سے لوٹی نہیں تھی اور پھر اس پر آبادی کے انخلاء اور سیلاب سے

نپٹنے کی ذمہ داریاں آن پڑی تھیں اور اس پر طرہ یہ کہ ہمارے حصے کا سامان اور ہتھیار گولہ بارود وغیرہ بھی نہیں ملے تھے۔

(3) ہمارے پاس مروجہ طریقے سے ریکارڈ رکھنے اور محفوظ کر دینے کا نظام ابھی تک شروع ہی نہیں کیا گیا تھا۔

(4) اس جنگ میں حصہ لینے والوں میں سے کسی نے بھی اس وقت تک اپنی خود نوشت لکھنے کی کوشش نہیں کی۔

(5) اس جنگ میں ریگولر فوجی قدرے کم، قبائلی لشکری، مقامی ریٹائرڈ فوجی اور سویلین مجاہدین والنیٹرز کافی تعداد میں تھے غرضیکہ ایسی بہت سی وجوہات تھیں جن کا طوالت کے پیش نظر ذکر مناسب نہیں۔

بہرکیف کنور آفتاب اور میں نے ضروری تفصیلات حاصل کرنے کیلئے پنجاب رجمنٹل سنٹر کا چکر لگایا۔ سرور شہید کی پرانی یونٹ 1/2 پنجاب سے رابطہ قائم کیا۔ سرور شہید کے گاؤں سنگھوری گئے تاکہ ان کے بال بچوں، عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں سے مل کے ضروری تفاصیل حاصل کر سکیں جب ہم ان کے گاؤں پہنچے تو کیپٹن سرور شہید کا بیٹا گاؤں میں نہیں تھا۔ اس وقت وہ اپنی زرعی زمینوں پر گیا ہوا تھا۔ بہرکیف ان کے داماد، کچھ عزیزوں اور بچپن کے دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ کئی بار ایک سی باتیں مختلف لوگوں کو مختلف اوقات میں سنا دینے کے بعد بھی انہوں نے ان باتوں کو دہرانے میں ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ ایک بات جو میں نے خاص طور پر نوٹ کی وہ یہ تھی کہ اتنے بہت سارے برسوں کے گزر جانے کے بعد بھی جو واقعات اور باتیں انہوں نے بتائیں بعینہٖ وہی تھیں جو اکثر کتابوں میں لکھی ملیں۔

سرور شہید کے بچپن کے ایک دوست سے ملاقات ہوئی جس نے نہ صرف بچپن کے واقعات سنائے بلکہ خالص پوٹھوہاری زبان میں اپنے اشعار بھی سنائے۔ اب کنور آفتاب (جنکی مادری زبان پنجابی ہے) کو اس کا ایک لفظ بھی پلے نہ پڑا۔ مجھے مترجم کے فرائض بھی ادا کرنے پڑے۔ کنور آفتاب کیلئے یہ بڑا حیران کن تجربہ تھا۔ اس نے پریشان ہو کے پوچھا

"یار! تم پوٹھوہاری سمجھ لیتے ہو۔"؟

میں نے کہا "لفظ بہ لفظ۔"

کہنے لگا "یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔"

اسے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ اسی علاقے میں پیدا ہوا ہوں، یہیں پلا بڑھا ہوں، اول دن سے یہ زبان سن رہا ہوں، تو کیوں نہ سمجھ پاؤں۔ بول سکتا ہوں، پوری روانی کے ساتھ نہیں تو نہ سہی لیکن اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا ہوں اور دوسرے کی بات بخوبی سمجھ سکتا ہوں۔

اس ملاقات میں کچھ تو سرور شہید کی نجی زندگی اور معاملات کا علم ہوا۔ کچھ کرداروں کو سمجھنے اور پہچاننے میں مدد ملی۔ علاقے کا پتہ چلا۔ اسی بنا پر بعض سین لکھنے میں سہولت ملی۔ اب جب مارچ 1991ء میں یہ ڈرامہ سات سال کے وقفے کے بعد دوبارہ اور اسی سال تیسری بار ستمبر میں ٹیلی کاسٹ ہوا تو سرور شہید کے عزیزوں میں سے ایک دوست کا فون ملا جنھوں نے سرور شہید کے ڈرامے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ ڈرامہ نوے فیصد درست اور صحیح واقعات پر مشتمل تھا۔ خیر دس فیصد کی تو ضرورت شعری کے تحت بھی چھوٹ مل سکتی ہے اسی طرح پہلی بار ڈرامہ ٹیلی کاسٹ ہونے کے بعد چند پرانے فوجیوں سے ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے جنگ کشمیر میں حصہ لیا ہوا تھا۔ بقول ان کے تمام واقعات بالکل اسی طرح پیش آئے تھے جس طرح بیان کئے گئے اور پیش کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ بقول کنور آفتاب پاکستان کے ایک انتہائی سینئر اور ثقہ ڈرامہ نویس کے مطابق یہ بہت عمدہ ڈرامہ تھا اور ان کا کہنا تھا کہ مجھے عموماً دوسروں کے لکھے ڈرامے پسند نہیں آتے لیکن یہ ایک ڈرامہ تھا جو پسند آیا اور اس کے بارے میں ٹی وی کو جو خط موصول ہوئے 'ان کا تو حساب نہیں۔

ہماری کاوشوں اور کوششوں پر اس سے بہتر کمنٹری اور کیا ہو سکتی تھی کہ نہ تو ہم نے حقائق اور واقعات سے انحراف کیا اور نہ ہی ہم نے ڈرامے کی ضروریات کو قربان کیا۔

سنگھوری میں تو سرور شہید کے بیٹے صفدر سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ ان کا قیام پنڈی میں ہے۔ مصروفیت یہ کہ زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ کچھ زمین دادا مرحوم کو فوجی خدمات کے سلسلے میں ملی تھی اور اب سرور شہید کی زمین ملی ہے۔ دل میں لمحے بھر کو خیال آیا۔ کاش وہ خود بھی باپ دادا کی روایات کو لے کر آگے بڑھے ہوتے

مگر...... ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشند خدائے بخشندہ

راجہ صفدر صاحب سے جب پنڈی میں ملاقات ہوئی تو انہیں خاندانی تفاخر سے مخمور پایا چونکہ سرور شہید کی وفات کے وقت وہ کم عمر بچے تھے۔ اس لئے باپ کے بارے میں کوئی خاص بات پتہ نہ چل سکی۔ انکا گلہ تھا کہ اگرچہ انہیں فوجی تقریبات پر بلایا جاتا ہے مگر انہیں وہاں وہ پذیرائی حاصل نہیں ہوتی۔ جوان کے والد کی قربانی کا تقاضا ہے لیکن شاید ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ اپنے اجداد کا سا مقام حاصل کرنے کیلئے تو ان کے نقش قدم پر چلنا شرط اولین ہے۔ پھر بھی اسکی کوئی گارنٹی نہیں کہ آپ کو بھی ان رفعتوں تک پہنچنا نصیب ہو جن کے وہ حامل تھے۔

یہاں جناب جوش ملیح آبادی کی بات یاد آئی ۔

"کہ ہمارے اجداد تو اہل سیف تھے' ہم اہل قلم ہیں' اور ہماری اولاد "اہل حرفہ"۔ "

دراصل اتنی شہرت اور مقام ستائش حاصل کرنے والا شخص برگد کے درخت کی مانند ہوتا ہے کہ جس کے سائے میں ٹھنڈک اور سکون تو میسر ہوتا ہے مگر خود پنپنے اور اپنے لئے انفرادی مقام حاصل کرنے کیلئے اس کے سائے سے نکل کے دھوپ کی تمازت اور حالات کے تھپیڑے سہنے پڑتے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ فوج کی روایات ہی ایسی ہوتی ہیں کہ اس میں ایک ہیرو کا بیٹا ہیرو تبھی بن سکتا ہے جب وہ اپنے اجداد جیسا ہی کوئی کارنمایاں سرانجام دے سکے اور اسکے لئے بھی حالات کا ساز گار ہونا شرط ہے ورنہ جو تم ہو وہ تم ہو، جو وہ تھے وہ وہ تھے۔ فوج میں شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر کی روایات تو بہت ساری ملتی ہیں لیکن ہیرو ابن ہیرو کی شاید ہی کوئی مثال ہو۔ وگرنہ حضرت غالب نے تو فرمایا تھا۔

سو سال سے ہے پیشۂ آباء سپہ گری
کچھ شاعری ہی ذریعۂ عزت نہیں مجھے

حالانکہ ان کا ذریعہ عزت اور ناموری شاعری ہی ہے اور آج تک چلی آرہی ہے۔ سپہ گری کے حامل اجداد سے تو کوئی واقف ہی نہیں۔ ہماری فوج اب بھی اپنے ہیروز اور ان کے لواحقین کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے تاکہ یہ جوت جلتی رہے۔

بہر کیف سرور شہید کے لواحقین اب مندرجہ ذیل حیثیتوں کے حامل ہیں۔

1۔ زوجہ	...... کرم جان	......	
2۔ بیٹا	...... محمد صفدر	......	زمینداری
3۔ پوتا	...... جمیل صفدر	......	ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ڈاکٹر فیصل آباد
4۔ "	...... ندیم صفدر	......	نیوی میں کمیشن
5۔ پوتی	...... نورین صفدر	......	بی۔ اے۔ بی ایڈ
6۔ "	...... سائمہ	......	طالبہ
7۔ پوتا	...... عدیل	......	طالب علم
8۔ بیٹی	...... گلزار بیگم	......	
9۔ داماد	...... راجہ حسن اختر	......	تحصیل دار
10۔ نواسہ	...... جاوید حسن	......	سب انسپکٹر پولیس
11۔	...... عامر حسن	......	ایل۔ ایل۔ بی
12۔	...... ابوالحسن	......	معذور بیمار
13۔	...... نویدناز	......	زوجہ غلام جیلانی ایڈووکیٹ
14۔ "	...... مریم	......	طالبہ

سرور شہید کے خاندان کے افراد سے ملاقات کے بعد ایسے لوگوں کی تلاش شروع ہوئی جنھوں نے اس معرکے میں بہ نفس نفیس حصہ لیا تھا۔ خوش قسمتی سے ہماری تین ایسے افسروں سے ملاقات ہوگئی اور وہ تھے۔

(1) میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد جمشید ملٹری کراس تمغہ جرات (دو مرتبہ)

اس وقت وہ اپنی پلٹن کے ایڈجوٹنٹ تھے۔

(2) لیفٹنٹ کرنل (ریٹائرڈ) شبیر حسین

جو اس وقت پلٹن کے سیکنڈ ان کمان تھے اور انہوں نے اپنی کمپنی کے ساتھ تل پترا پر حملہ کیا تھا۔

(3) بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) ذوالفقار علی

جو پلٹن میں ایک نوجوان افسر تھے۔ انہوں نے بھی حملے میں ایک کمپنی کی کمان کی تھی، زخمی ہو گئے تھے، گمان یہ تھا کہ شاید شہید ہو گئے ہوں، کیپٹن سرور کی کمپنی کو اسی مقام پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔

ہمارے پاس صرف جنرل جمشید کا پتہ تھا۔ ہم ان سے ملاقات کی خاطر ان کے گھر گلبرگ لاہور پہنچے۔ اگرچہ وہ اب تک پاکستان آرمی کے سب سے زیادہ اعزازات حاصل کرنے والے افسر تھے یعنی انہوں نے ایک مرتبہ انگریزی فوج میں ملٹری کراس حاصل کیا تھا اور پھر پاکستانی فوج میں دو مرتبہ ستارۂ جرأت حاصل کیا لیکن ہم نے انہیں بہت منکسر المزاج انسان پایا۔ انہوں نے کسی طور بھی اپنے اعزازات کا کسی تفاخر سے ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس ان کی منکسر المزاجی ان کے آڑے آئی۔ انہوں نے کہا۔ میری بجائے تم کرنل شبیر سے مل کے اس بارے میں معلومات حاصل کرو۔ وہ آپ لوگوں کو بہت کچھ بتا سکیں گے کیونکہ انہوں نے لڑائی میں بذات خود حصہ لیا تھا لیکن ہمارے پاس ان کا پتہ نہیں تھا۔ اس پر انہوں نے پوچھا تم ٹھہرے ہوئے کہاں ہو۔ میں نے بتایا کہ مال روڈ کے فلاں ہوٹل میں تو کہنے لگے پھر تو کوئی مشکل نہیں۔ وہ انہی کا تو ہے اور ان کا دفتر بھی وہیں ہے۔

ہم نے کرنل شبیر سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے ہماری ہر طرح مدد کرنے کی حامی بھر لی۔ دوسرے دن کا وقت مقرر ہوا اور انہوں نے بریگیڈیئر ذوالفقار علی کو بھی بلوا لیا جو حسن اتفاق سے لاہور میں ہی قیام پذیر تھے۔

اگلے دن ان دونوں حضرات سے ملاقات ہوئی تو بڑی طویل نشست ہوئی۔

اور نہ صرف انہوں نے ہمیں اس معرکے کی تمام تر جزئیات سے آگاہ کیا بلکہ اس گفتگو کے نتیجے میں ہمیں دو ایسے کرداروں کو بڑے نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا جو اس معرکے میں بہ نفس نفیس شامل تھے۔ اس طرح یہ سلسلہ ستمبر 1982ء میں شروع ہوا اور تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہا۔ جس میں ہم مختلف لوگوں سے ملتے ملاتے رہے اور ضروری مواد جمع کرتے رہے۔ اس دوران کئی سو میل کا سفر طے کیا، کہیں سے کچھ کہیں سے کچھ حاصل کیا اور اب ذہن میں ایک خاکہ ابھرنے لگا۔ ہماری شروع سے یہی کوشش تھی کہ جہاں تک اور جس حد تک ممکن ہو۔ اصل واقعات سے انحراف نہ کیا جائے۔ سرور شہید کی زندگی کے بارے میں پہلا خاکہ جو ذہن میں ابھرا، وہ دو حصوں پر مشتمل تھا جس میں پہلا حصہ زندگی کا

وہ دور تھا' جو آزادی سے پہلے کا تھا جس میں انہوں نے انگریز کی نوکری کی تھی اور فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہونے کے بعد بتدریج اپنی لیاقت 'ہمت 'محنت اور استطاعت سے پہلے جونیئر کمیشن اور پھر آفیسر کمیشن حاصل کی تھی اور دوسرا حصہ اس سے بھی زیادہ واضح تھا وہ پاکستان کے تشکیل میں آنے کے بعد کا تھا۔ جس میں انہوں نے اپنے ملک اور قوم کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا اور وہ نشان حیدر دیے جانے کے اہل قرار پائے تھے۔

اب جب ڈرامے کے تحریر کرنے کا مرحلہ آیا تو سوچا کہ مناسب تو یہی ہو گا کہ صرف دوسرے حصے کو اجاگر کرنے پر زور دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا کیونکہ بہر کیف پاکستان بننے سے پہلے کی فوج انگریزی حکومت کی تھی اور اس کا نشان حیدر کے حصول سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔ ویسے بھی اگر سرور شہید کی تمام لائف سٹوری دکھانے کی کوشش کی جاتی تو یہ ڈرامہ کئی گھنٹوں پر محیط ہوتا اور قسط وار دکھانا پڑتا چونکہ ہماری کوشش یہ تھی کہ حقائق سے انحراف نہ کیا جائے۔ اس لئے سوچا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے۔ جزویات تک میں اس زمانے کے حالات' واقعات اور ساز و سامان کو دکھایا جانا چاہئے۔ اب جب ہم نے ان ہتھیاروں' وردیوں' کپڑوں' عہدوں کے نشانوں کے حصول کا کام شروع کیا جو کہ اس زمانے میں استعمال ہوتے تھے تو خاصی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بیشتر چیزیں فی زمانہ متروک ہو چکی تھیں اور اب مستعمل نہیں تھیں۔ اکثر اشیاء اور ساز و سامان کو سالویج ڈپو سے نکلوانا پڑا۔ سامان کے حصول کیلئے ہر روز مختلف دفاتر سے رابطہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سبھی متعلقہ حکام نے اس معاملے میں ہم سے پورا پورا تعاون کیا جن میں مختلف عہدوں کے مختلف افسران تھے۔ کئی دفاتر تھے جن کا فرداً فرداً تذکرہ نہ تو مناسب ہو گا اور نہ ہی ممکن۔

ساتھ ساتھ ہی اسکرپٹ بھی تحریر کیا جا رہا تھا۔

اسکرپٹ مکمل ہوا' تو درحقیقت میرا کام ختم ہو چکا تھا لیکن مجھ سے بطور خصوصی کہا گیا اور اپنا شوق بھی

تھا پھر یہ ڈرامہ بذات خود ایک بہت بڑا چیلنج تھا اس لئے میں نے خود کو اس پراجیکٹ سے متعلق رکھنے کی رضامندی دے دی، ویسے اگر میں نہ بھی ساتھ ہوتا تو اس کام کیلئے فوج سے کوئی اور صاحب یہ فرض نبھاتے مگر ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطہ نظر سے اور اپنے ذاتی علم کی بنا پر جن جزویات پر میری نظر ہوتی ان کا شاید کوئی دوسرا خیال نہ کر پاتا۔

اب اس دوران جب لوکیشن وغیرہ چننے کا مرحلہ آیا تو کنور آفتاب نے کہا کہ ہم اسے یہاں مار گلہ ہلز میں فلمائیں گے۔ میں نے اعتراض کیا کہ یہ جنگ نو ہزار فٹ کی بلندی پر لڑی گئی تھی۔ یہاں کے پہاڑ اور درخت وہ منظر نہیں پیش کر سکیں گے جو نو ہزار فٹ کے ہوتے ہیں۔ میں نے کنور آفتاب احمد کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ چلو اور چل کے ایک بار وہ جگہ دیکھ لو جہاں یہ جنگ لڑی گئی تھی ——— تب تمہیں اس بات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ یہ جنگ کن حالات میں اور کن دشواریوں کے ساتھ لڑی گئی تھی۔ اس کے علاوہ تم یہ دیکھ سکو گے کہ بنکرز کیا ہوتے ہیں ——— ان میں فوجی کس طرح رہتے ہیں، حملہ کرنے کے لئے جس وقت فوج روانہ ہوئی تھی اس وقت ان کی دفاعی پوزیشن تین ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند تھی وہاں سے وہ سیدھے پہاڑ پر چڑھ کے نو ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچے تھے۔ اور پہنچ کے رات کے اندھیرے میں حملہ کرنا تھا اور پھر جس دن یہ حملہ ہوا تھا۔ بارش تھی، دھند تھی اور رمضان کا مہینہ تھا سبھی نے روزہ بھی رکھا ہوا تھا۔ یہ سب کتنا دشوار کام تھا۔ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کے نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ اصلی مقام پر پہنچ کے وہاں کے حالات کو خود ایک نظر نہ دیکھ لو۔ کنور آفتاب بڑی مشکل سے اس بات پر رضامند ہوا اور جب روانگی کے انتظامات مکمل ہوئے تو اس نے مجھے فون کر کے پوچھا۔

"کس وقت چلنا ہو گا تا کہ میں گاڑی بھجوا دوں"

میں نے کہا "صبح ساڑھے چھ بجے گاڑی میرے گھر پہنچ جائے۔ میں اسلام آباد آ جاؤں گا وہاں سے ٹھیک سات بجے نکل پڑیں گے" کنور آفتاب نے حیران ہو کے پوچھا "یار! اتنی صبح، دسمبر کا مہینہ ہے، کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ یہاں تو سات بجے صبح سورج بھی نہیں طلوع ہوتا۔ ذرا آگے وقت نہیں ہو سکتا۔"

اس کے شدید اصرار پر میں اسلام آباد سے ساڑھے سات بجے نکلنے پر رضامند ہوا کیونکہ مجھے آگے کے سفر کی طوالت اور وہاں کی مصروفیات اور ضروریات کا بخوبی اندازہ تھا۔ ہم نے وہاں بریگیڈ کوارٹر کو اعلیٰ ہیڈ کوارٹر کے توسط سے پہلے سے اطلاع بھجوا دی تھی۔

یوں دسمبر 1982ء کی ایک صبح ہم پنڈی سے چکوٹھی کے لئے روانہ ہوئے۔ آنے جانے کا سفر ہی تقریباً ڈھائی سو میل تھا۔ اب جب سفر شروع ہوا تو ہدایت کار کو راستے کی دشواریوں کا علم ہونا شروع ہوا۔ راستے میں ہم نے کوہالہ پل دیکھا کیونکہ اس کے بارے میں ایک اہم سین تھا۔ مظفر آباد پہنچے تو ان حکام

سے ملے جنہوں نے اس ڈرامے کے سلسلے میں ہمیں ضروری سہولتیں مہیا کرنی تھیں۔

چکوٹھی پہنچے۔ ایک خوبصورت، سرد، خوشگوار دن تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ چاروں طرف پہاڑوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ خاصی سرد ہوا چل رہی تھی، اردگرد کے پہاڑ درختوں سے چھپے اٹے اوپر اٹھتے چلے گئے تھے۔ کہیں کہیں کسی پہاڑ کی چوٹی پر سفید براق بادل معلق تھے اور چکوٹھی کے مقام پر سرسبز درخت ہوا سے لہلہا رہے تھے اور ساتھ ہی قریب دریائے جہلم اپنے پورے زور شور سے بہہ رہا تھا اور شور بھی اتنا کہ بات کرنے کیلئے اس سے مقاہمت کرنی پڑتی تھی۔ بڑا ہی مسحور کن نظارہ تھا۔ اس پس منظر میں جب کنور آفتاب نے چکوٹھی کے دفاعی بنکر زاور اسکے اردگرد کا علاقہ دیکھا تو اسے یہ فیصلہ کرنے میں قطعی دیر نہ لگی کہ ڈرامے کا بیشتر حصہ سٹوڈیو کی بجائے اصل لوکیشن پر فلمایا جائے۔ کیونکہ جو کچھ یہاں میسر تھا اس کو بعینہٖ سٹوڈیو میں اتنی عمدگی سے تیار کرنا شاید کسی طور ممکن نہ ہوتا اور ویسے بھی اصلی چیز اصلی ہوتی ہے اور ہم لاکھ انہیں سٹوڈیوز میں پیش کرنے کی کوشش کریں۔ بات بنتی نہیں۔

لوکیشن دیکھ لینے اور پسند کر لینے کے بعد بھی ایک دم کام کرنا ممکن نہ تھا۔ ویسے بھی ابھی تمام تر ضروری سامان اور دیگر متعلقہ چیزوں کے حصول اور ان کی ترسیل کا مسئلہ تھا مگر سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ یہ سردیوں کا موسم تھا۔ پہاڑوں کی تمام چوٹیاں برف پوش تھیں جبکہ ہمارے اس معرکے کا زمانہ جولائی کا مہینہ تھا۔ اس لئے ہمیں بہرکیف اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا تھا جب تک کہ برف پگھل نہ جاتی۔

واپس ہوتے ہوتے شام پڑ گئی۔ رات آٹھ بجے ہم مری پہنچے۔ تھک کے چور ہو چکے تھے۔ وہاں ہم کچھ دیر آرام کرنے کیلئے رکے، مال روڈ کے ایک مشہور ریسٹورانٹ میں بیٹھ کے چائے پیتے ہوئے ہم نے آنے والے دنوں کے پروگرام کے بارے میں بہت سی چیزوں کے لئے لائحہ عمل طے کیا۔ باہر برف آلود ہوائیں چل رہی تھیں۔ اندر ہمارے علاوہ چندنئے شادی شدہ جوڑے اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھے (اور ہونا بھی چاہئے تھا) کہ ہم دونوں کتنے اہم اور تاریخی موضوع پر محو گفتگو ہیں۔ رات گیارہ بجے گھر پہنچے۔ یہ کنور آفتاب کیلئے فوجی نوعیت کے اوقات کار، کا پہلا دن تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے پھر انہی اوقات کو اپنا اوقات کار بنایا۔ وگرنہ اس دن صبح تو وہ حیران ہو بیٹھا تھا کہ یار صبح سات بجے چلنا ہے یہ بھی روانگی کیلئے کوئی شریفانہ وقت ہے۔ یہ جانے بغیر کہ اسی شریفانہ وقت پر کام کر کے اپنی تمام تر ذمہ داری نباہنی ہوگی۔ اور جو اس نے بالآخر خوب نباہی بھی۔

آئندہ دو تین ماہ مختلف قسم کی تیاریوں میں گزرے۔ آفتاب نے اپنی کاسٹ جمع کرنی تھی۔ ابتداءً اس کا خیال تھا کہ سرور شہید کے کردار کیلئے وہ فردوس جمال کو سائن کرے لیکن وہ بعض وجوہات کی بنا پر نہیں مل سکا تو اس تاریخی کردار کو ادا کرنے کیلئے قرعہ فال سلیم ناصر کے نام نکلا۔

اب ایک بار پھر ہم دونوں نے مل کے ضروری سازو سامان، ہتھیار اور فوج سے دوسرا ضروری سامان حاصل کرنے کیلئے تگ و دو شروع کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے لئے ہمیں جنرل ہیڈ کوارٹرز سے

ہر قسم کی معاونت ملی۔ ہر لیول پر ہر افسر نے ہم سے پورا پورا تعاون کیا جس کے بغیر یہ تمام کام اور تیاری ممکن نہ تھی۔

اپریل تک یہ سب تیاریاں مکمل ہو گئیں اور اپریل کے مہینے میں ہی کاسٹ نے بھی پنڈی پہنچنا شروع کر دیا۔

اب چونکہ ان سب لوگوں نے فوجی جوانوں کے کردار ادا کرنے تھے۔ اس لئے انہیں چپ راست کی تربیت اور سلوٹنگ وغیرہ کی مشق کرانا ضروری تھی۔ حاصل کردہ وردیوں کو ان کے جسم کے مطابق فٹ کرنا تھا اور یہاں ایک اور بڑا مسئلہ اٹھا۔ وہ تھا عہدوں کے بیجز 'آف رینکس کا حصول' چونکہ 1948ء میں اس وقت تک جنگ عظیم کے زمانے کے کپڑے کے بیج ہی مستعمل تھے۔ اس لئے ان کی تلاش شروع ہوئی'، تو کہیں نہ ملے۔ وجہ صاف ظاہر تھی چونکہ اب وہ متروک ہو چکے تھے۔ اس لئے کہیں سے بھی دستیاب نہ تھے۔ ہم نے چاہا کہ کوئی درزی ہمیں وہ بنادے۔ تو پتہ چلا کہ ایسے بیجز بنانے والے سبھی درزی مڈل ایسٹ سدھار گئے ہیں۔ ہمیں نہیں علم تھا کہ خلیجی اثرات کہاں کہاں تک اپنا اثر پھیلا چکے ہیں۔

بہرکیف ہم کچھ نہ کچھ اشیاء حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ویسے اس بات کی تسلی کی تھی کہ اگر کوئی چھوٹی موٹی خامی رہ بھی گئی تو قابل معافی ہو گی اور درگزر کر دی جائے گی کیونکہ 1948ء میں کشمیر میں لڑنے والے مجاہدین سبھی قسم کے لوگوں پر مشتمل تھے۔ ان میں مقامی والنٹیرز بھی تھے، 'قبائلی لشکر بھی تھے'، علاقے کے ریٹائرڈ فوجی بھی تھے' فوج کے ریگولر دستے بھی تھے۔ وہ فوجی بھی تھے، جو چھٹیوں پر گھر آئے ہوئے تھے۔ اور اب اپنے گھر بار کی حفاظت کی خاطر غالباً FRENCH LEAVE پر تھے۔ یہ سب اپنے اپنے علاقوں اپنے عزیزوں دوستوں کی مدد کے لئے انکے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ ہر قسم کے لباس میں ملبوس تھے۔ اسی طرح ان کے ہتھیار بھی گونا گوں قسم تھے۔

ہم نے اس زمانے میں راولپنڈی میں سے گزرتے قبائلیوں کو کشمیر کے محاذ پر جاتے دیکھا تھا۔ ملک کے کسی اور حصے شہر یا علاقے کو کشمیر میں ہونے والے معرکے کا اتنا علم نہیں ہوتا تھا جتنا پنڈی والوں کو ہوتا تھا۔ اول تو پنڈی سے کوئی اخبار ہی نہیں نکلتا تھا اس لئے بیشتر باتیں سینہ گزٹ ہی ہوتی تھیں۔ اس لئے ملک کے اکثر و بیشتر حصے کو کشمیر میں اس اٹھنے والے طوفان کی سن گن بھی نہ تھی مگر یہاں کے لوگ نہ صرف کشمیر کی جنگ آزادی سے واقف ہو چکے تھے بلکہ وہاں ہر قسم کی امداد پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ مقامی حکام اور مختلف سماجی تنظیموں نے جس انداز میں اور جس جوش و خروش سے ان مجاہدین کی مدد کی۔ وہ تاریخ کا حصہ تو ضرور ہیں لیکن یہ سب کچھ وقت کی گرد میں اس طرح دب کے رہ گیا ہے کہ سینہ گزٹ بیان کرنے والے اب شاذ ہی رہ گئے ہوں۔

میری نگاہوں سے تو وہ سین اوجھل نہیں ہوتا۔ جب قبائلی لشکر واپسی پر اپنی رائفلوں اور گولیوں کو

راجہ بازار میں اس طرح سجا کر بیچنے کو بیٹھے ہوتے تھے۔ جیسے آجکل افغانی فوجی جیکٹ اور بوٹ صدر میں لئے بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ رائفل میں گولی لوڈ کر کے عین بازار میں نمونے کے طور پر چلا کے دکھاتے تھے۔

اس زمانے میں ہرایک کے دل میں جو جذبہ تھا۔ اسے صفحہ قرطاس پر لانا ممکن نہیں۔ ہم نے بھی اپنے کالج سے طلبہ کا ایک دستہ مجاہدین کی مدد اور خدمت کیلئے بھیجا تھا۔ میں اپنے ایک ساتھی اقبال ملک کو نہیں بھول سکتا۔ چھ فٹ کا یہ ساتولا سلونا نوجوان سرگودھا کے ایک اعلیٰ زمیندار گھرانے کا چشم وچراغ تھا۔ اس نے خود کو اس ارفع مقصد کے لئے پیش کیا۔ سب کو بتایا گیا کہ اپنے ساتھ معمولی قسم کے کپڑے لے کر جائیں۔ اسکا معمولی ترین کپڑا سفید گیبرڈین کا ایک سوٹ تھا اور وہی اسکے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ اس دستے کو ہمارا ایک اور عزیز دوست اخترحسن اسلم اپنے ساتھ لے کر گیا اور چند دنوں بعد وہ اقبال ملک کی لاش کو ساتھ لئے ہوئے واپس آگیا۔ بھارتی جہازوں نے ایک دن حملہ کیا تو وہ چھپنے کیلئے ایک کھیت میں لیٹ گئے لیکن اسکا سفید سوٹ ان کے لئے بہترین ٹارگٹ تھا۔ جسے انہوں نے مس نہیں کیا اور یوں وہ انکی —— STRAFFING میں آکر شہید ہوگیا۔ دراصل اس وقت تک یہ سب کچھ بغیر کسی پلاننگ کے تھا۔ اس لئے ربط وضبط کا فقدان تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ایسے والنٹیرز سے کیا یا کس قسم کا کام لیا جائے۔ اس لئے وہ بجائے مددگار ثابت ہونے کے محاذ پر الٹا بوجھ بننے کا سبب بنے۔ پھر بھی جس جذبے سے یہ طلبہ گئے تھے۔ ان کی قدر نہ کرنا یا ان کے ایثار کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگا۔

پشاور سے آنے والی ٹرینوں کی چھتوں تک پر قبائلی مجاہدین سوار ہوتے تھے۔ راستے میں گولیاں چلاتے، نعرے لگاتے اور پشتو زبان میں رزمیہ گانے گاتے آتے۔ پھر جو اور جیسی گاڑیاں میسر ہوتیں۔ ان میں قافلے تشکیل پاتے اور یوں کچھ پیدل اور کچھ گاڑیوں میں عازم کشمیر ہوتے۔ پنڈی سے جو کچھ ممکن ہوتا۔ ساتھ کر دیا جاتا۔ جس میں کپڑے، راشن دوائیں، کمبل، گولہ بارود جو کچھ میسر ہوتا یا جمع ہوتا ان کے ساتھ کر دیا جاتا۔ سفر بالعموم رات کے وقت ہوتا۔ اس وقت تک مری کی یا مری سے آگے کوہالہ اور پھر کوہالہ سے مظفر آباد کی سڑک نہ تو اتنی کشادہ تھی اور نہ ہی اتنی عمدہ —— کہ اس پر آسانی سے رات کے وقت سفر کیا جا سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے پاکستان بننے کے بعد کئی سال تک تو پنڈی مری کے درمیان سورج غروب ہونے سے سورج طلوع ہونے تک اس سڑک پر سفر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ان حالات میں ان قافلوں کا مکمل بلیک آؤٹ کر کے سفر کرنا بذات خود ایک جان جوکھوں کا کام تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اس زمانے میں بھی دشمن کے جاسوس اپنے کام سے غافل نہیں تھے۔ ایسے ہی حالات میں ایک قافلہ ایک بار مری میں ایجنسی کے قریب رات کے وقت قیام پذیر تھا تو اس رات کے اندھیرے میں بھارتی جہاز آئے اور تقریباً اسی مقام پر گولے گرائے جہاں یہ قافلہ تھا مگر خوش قسمتی سے ایک تو رات کے اندھیرے دوسرے پہاڑی علاقہ ہونے کی بنا پر وہ گولے بجائے اپنے ہدف پر گرنے کے گوروں کے ایک قبرستان میں گرے جس کی وجہ سے قافلہ تو بچ گیا لیکن کچھ مردہ گورے "بے گور" ہوگئے۔

اس ڈرامے میں کوہالے کے پل پر بمباری کا منظر ایسے ہی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کوہالہ برج کو اڑانے کی جس قدر بھارتیوں نے کوشش کی اور جس قدر وہ اپنے اس مقصد میں ناکام رہے۔ اسکی مثال نہیں ملتی۔

اب ضروری سامان کے حصول کے ساتھ ساتھ ڈرامے کی کاسٹ کی ٹریننگ پریڈ شروع ہو گئی اور مظفر آباد روانگی سے ایک دن پہلے ڈرامے کے تمام اہم کرداروں کو صحیح فوجی لک دینے کیلئے ان کے بالوں کو مناسب انداز سے ترشوانا بھی ضروری ہو گیا تھا۔ مال روڈ پر ایک حجام کے ہاں ان کے بالوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے اور اس کام کیلئے سبھی نے ہنسی خوشی سر تسلیم خم کیا۔ بلکہ بال قلم کروا ڈالے۔ عمران پیرزادہ نے تو اپنے بالوں کو اس حد تک چھوٹا کروالیا کہ بالکل تازہ تازہ نووارد افسر لگتا تھا۔ عثمان پیرزادہ کو خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ ان دنوں ایک اور سیریل میں کام کر رہا تھا لیکن اس نے اپنے بال اس حد تک چھوٹے کروا لئے تھے جو ایک ایسے فوجی کے لئے موزوں لگتے تھے۔ جسے محاذ جنگ کی مصروفیت میں حجامت کی فرصت نہ ملی ہو اور یہ کوئی غیر ممکنہ بات بھی نہ تھی لیکن ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے۔ مظفر آباد پہنچے، تو انہیں ایک بار پھر ڈرل انسٹرکٹرز کے حوالے کر دیا گیا اور اب پریڈ میں انہیں ایمونیشن بوٹ بھی پہننے پڑے جو ایک خاصا مشکل کام تھا۔ وہ لوگ چپ راست میں مصروف ہوئے تو ہم ایک بار پھر سے اس سامان کی فراہمی اور ٹرانسپورٹ وغیرہ حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے جس کی ہمیں وہاں ضرورت پڑنی تھی۔

ہماری رہائش کا انتظام بہت اعلیٰ تھا۔ مظفر آباد کی اسمبلی کے ممبران کا ہاسٹل خالی تھا۔ نئی بلڈنگ پر فضا مقام، یہ ایک اجزیرہ نما پر واقع تھا جس کے اردگرد سے دریائے جہلم اس طرح سے گھوم کے گزرتا تھا کہ ایسے گمان ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی خوابوں کے جزیرے میں فروکش ہوں۔ بہار کا موسم تھا۔ انتہائی خوشگوار اور مسحور کن اور جتنے دن بھی وہاں رہے وہ اپنے لحاظ سے یادگار رہیں گے۔

اب ہم نے تمام حاصل کردہ سامان کو چیک کیا۔ جس جس شے کی ضرورت تھی ان میں سے بیشتر چیزیں مل چکی تھیں تو ہتھیاروں کی فراہمی کا سوال اٹھا 1948ء میں فوج میں 303 رائفل استعمال ہوتی تھیں۔ اس لئے ہم نے ان کی فراہمی کیلئے کہا۔ وہاں رائفلیں تو پہنچ گئیں۔ لیکن ان کے ساتھ سنگینیں نہیں تھیں۔ یہ ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ظاہر ہے سنگینوں کے بغیر رائفل کی سنگینی کا اندازہ ہوتا یا نہ ہوتا۔ البتہ ہمارے لئے ایک سنگین صورتحال پیدا ہو گئی کہ لڑنے والے سنگینوں کے بغیر حملے میں کیونکر شامل ہو سکتے تھے لیکن مقامی کمانڈر اور ان کے سٹاف نے ہماری ہر طرح مدد کی۔ بالآخر مقامی حکام کے تعاون اور تگ و دو کے بعد ہمیں یہ سنگینیں مقامی پولیس سے حاصل ہو گئیں۔

تمام سامان اکٹھا کر لینے کے بعد ہم چکوٹھی کے لئے روانہ ہوئے جو کہ مظفر آباد سے مزید چالیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہمیں بارڈر سے دو ڈھائی میل پیچھے گاڑیوں کو چھوڑ کے اپنا سب

سامان اپنے کاندھوں پر اٹھا کر پیدل چل کے منزل تک پہنچنا تھا۔ یہ مشقت کیمرہ مینوں کے لئے خاصی مشکل اور تکلیف دہ تھی کیونکہ ان کا سامان نہ صرف بھاری بلکہ نازک اور حساس بھی تھا۔ راستہ بھی کچا اور ٹوٹا پھوٹا۔ بعض مقامات تو واقعی بڑے خطرناک تھے۔ ویسے اگر ہم چاہتے بھی تو جیپ یا گاڑی آگے تک نہیں لے جاسکتے تھے۔ کیونکہ ایک خاص مقام کے بعد ویسے بھی ہر قسم کی گاڑیوں کا آگے لے جانا منع تھا۔

پہلے دن ہی بارڈر کے دوسری جانب کے فوجیوں نے جب ہماری جانب غیر معمولی چہل پہل دیکھی تو مروجہ طریق کار کے مطابق وسل بجانی شروع کر دی اور سفید جھنڈی لہرانے لگے۔ مقصد یہ تھا کہ ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری جانب سے بھی اسی طرح جواب دیا گیا اور پھر ایک افسر ہماری جانب سے غیر متحارب علاقہ یعنی NO MAN'S LAND کی جانب روانہ ہوا۔

ادھر سے ان کا بھی ایک افسر آیا۔ درمیان میں ایک پل پر ان دونوں کی ملاقات ہوئی۔ آنے والے نے دریافت کیا کہ آپ کی جانب یہ غیر معمولی حرکات وسکنات کیا ہیں' اسے بتایا گیا کہ ٹی وی والے آئے ہیں اور وہ اس علاقے میں فلم بنا رہے ہیں۔ یہ پوچھ کے وہ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ وہی سلسلہ دہرایا گیا۔ اب کی انہوں نے دریافت کیا کہ آیا یہ فلم ''منور نجن'' یعنی تفریحی ہے یا سینا یعنی فوج سے متعلق ہے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ ایک تاریخی فلم ہے اور اس میں شمولیت کیلئے پاکستان کے مشہور فنکار آئے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا اگر معروف گانے والی بھی آئی ہوں تو ہمیں ان کا گانا ضرور سنوایئے گا۔

اس کے بعد سے ان کے آبزرور مختلف بلندیوں پر بیٹھے دوربینیں لگائے ہمیں مستقلاً اپنی نظروں کے احاطے میں لئے رہے۔ یوں سمجھیں کہ انہوں نے حتیٰ الوسع یہ کوشش کی کہ وہ لمحے بھر کو بھی ہمیں اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ ہم بہرکیف اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ خدا معلوم وہ لوگ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے کہ نہیں چونکہ ہمارا کام کئی دنوں پر محیط تھا اس لئے ان کی یہ ہر روز کی تاک جھانک جاری رہی۔

ہمارا روزمرہ کا یہ معمول تھا کہ صبح پانچ ساڑھے پانچ بجے اٹھ کے تیار ہوتے۔ ناشتے کے لئے ساڑھے چھ بجے تک ڈائننگ ہال میں آجاتے۔ ناشتے کے بعد سات بجے تک روانہ ہوتے۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سے اگر کوئی سامان یا کوئی نئے ضروری پیغامات لینے ہوتے' لیتے اور گاڑیوں میں سوار ہو کے چکوٹھی کی جانب روانہ ہوجاتے۔ چالیس میل کا گاڑی کا سفر۔ اس کے بعد دوڈھائی میل کا پیدل سفر۔ ہم تقریباً دس ساڑھے دس بجے اپنی اصلی منزل یعنی اصلی مورچوں تک پہنچتے' مورچے تقریباً وہی تھے اور اسی نوعیت کے تھے جو اس وقت سے پینتیس برس پہلے ہوا کرتے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوجاتے' کپڑے بدلتے' یعنی باوردی ہوتے' پھر ان سب کرداروں کا ضروری میک اپ ہوتا۔ ہتھیار دیئے جاتے۔ فال ان کئے جاتے' ضروری ہدایات دی جاتیں' پھر ہر اداکار اپنے اپنے مکالمے یاد کرنے یا دہرانے میں مشغول ہوجاتا۔ اسکے بعد حسب پروگرام طے کردہ مناظر کے فلمانے کا کام شروع ہوتا چونکہ

یہ کام جدید ترین کیمروں پر ہو رہا تھا۔ اس لئے پروڈیوسر کنور آفتاب کیمرے پر استادہ چھوٹے سے سکرین پر ہر منظر کو ساتھ ساتھ دیکھتا جاتا تھا اور پھر اس ڈرامے کو فلم کی شکل میں بنایا جا رہا تھا۔ اس لئے یہ لوگ پہلے سے طے شدہ مناظر کو حسب ضرورت فلماتے، شروع شروع میں یہ تمام طریقۂ کار حیران کن لگا مگر پھر معلوم ہوا۔ دریں حالات یہی ایک احسن طریقہ تھا۔ ہمیں وہاں سے متعلق پروگرام وہاں ہی روز کے روز ختم کرنا ہوتا تھا۔ اس میں سارا دن صرف ہو جاتا۔ شام کو واپسی ہوتی۔

اس مقام سے نکلتے نکلتے اندھیرا آجاتا۔ گاڑیوں میں سوار ہو کے ہم رات نو ساڑھے نو بجے اپنی قیام گاہ تک پہنچتے، کھانا کھانے کے بعد کنور آفتاب اپنے سبھی ساتھیوں اور بڑے کرداروں کے ہمراہ دن میں فلمائے گئے حصوں کو دیکھتے، پرکھتے اور پھر اگلے دن کی تیاری شروع ہو جاتی۔ اس طرح یہ صبح سویرے شروع کیا گیا کام دن ڈھلے نہیں بلکہ رات گئے ختم ہوتا اور دوسرے دن دوبارہ سے فوجی زبان میں پھر وہی کام بی گن "BEGIN" شروع ہو جاتا۔

یوں دن رات مصروف رہ کے چکوٹھی پر واقع بنکروں میں فلمائے جانے کا کام ایک حد تک یعنی حملہ کرنے کیلئے پہاڑی پر چڑھنے تک کے وقت کا کوئی دس روز میں مکمل ہوا۔ اب سوال یہ اٹھا کہ اصلی حملے کے حصے کو فلمانے کے واسطے کس مقام کا چناؤ کیا جائے کیونکہ وہ مقام جہاں یہ معرکہ لڑا گیا تھا اور جہاں کیپٹن سرور نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ وہ بھارتی فوجوں کے قبضے میں تھا اس لئے ظاہر ہے کہ کوئی اور مناسب مقام جو اس سے ملتا جلتا ہو، اسکی تلاش شروع کی جائے، چونکہ چکوٹھی میں کئے جانے والا کام ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے ہم نے اب بتدریج پیچھے ہٹنا شروع کیا کیونکہ راستے میں چند نالوں میں سڑک پر اور پہاڑ کی سلوٹوں میں کچھ سین فلمانے تھے۔ ان مقامات پر کنور آفتاب اکثر تیز بہتے نالوں میں اتر کے ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر اچھل کر اپنے کیمرہ مین اور اسکے کیمرے کو فٹ کرتا۔ جگہ تبدیل کرواتا، زاویہ بدلواتا، اور سین فلماتا۔

میں نے اسے بہت سمجھایا کہ دیکھو بھئی، یہ کام خطرناک ہے، تمہیں نالوں کا تجربہ بھی نہیں ہے۔ تمہارے جوتے بھی اس کام کے لئے مناسب نہیں۔ اس لئے ان نالوں میں تمہارا پاؤں پھسل سکتا ہے۔ تیز پانی میں پاؤں رپٹ سکتا ہے اور ویسے بھی تم "VERTIGO" (یعنی چکر آنے) کی شکایت کرتے ہو۔ اس لئے اس قسم کی رسک مت لو" مگر وہ کہاں ماننے والا تھا۔ الٹا مجھ سے کہا کہ میں اپنے کام کو اپنے انداز میں کرنا پسند کرتا ہوں۔ میں نے جواباً جو کچھ بھی اس کو فوجی زبان میں کہا اس کو دوستی کی بنا پر دہرانا بدشگون ہوگا لیکن وہی ہو کر رہا جس کا ڈر تھا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

حملے کے سین فلمانے کیلئے جب کسی مناسب مقام کی تلاش شروع ہوئی تو مشکلات کا ایک اور سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہم جس بھی مناسب ملتے جلتے مقام کا تعین کرتے تو پتہ چلتا کہ اب وہاں اسکے ارد گرد کے علاقے میں اتنی ترقی اور تبدیلی آچکی ہے کہ کسی طور بھی ہم اس علاقے کو استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ

تمام تر علاقے میں اب پکی سڑکیں تعمیر کی جا چکی تھیں جن پر مستقلاً گاڑیوں' بسوں' ٹرکوں کا شور وغل ہوتا رہتا تھا۔

بالآخر بریگیڈ کمانڈر صاحب نے ہماری مشکل کا ایک حل تجویز کیا۔ انہوں نے کہا بٹراسی ایک ایسا مقام ہے جو تل پترا کی پہاڑی سے ملتا جلتا ہے۔ اسے دیکھ لو۔ شاید تم لوگوں کو پسند آ جائے اور تمہاری ضرورت کے مطابق ہو۔ ایک دن ہم وہاں کیلئے عازم سفر ہوئے۔ اگرچہ وہاں کے جنگلات تل پترا جیسے گھنے اور دشوار نہیں تھے پھر بھی اس مقام کو دیکھا تو دریں اثنا حالات وہ بہت مناسب لگا اور فیصلہ یہی کیا گیا کہ آخری حملے کا سین وہاں ہی فلمایا جائے۔ اتفاقاً وہاں ایک مناسب قسم کا ریسٹ ہاؤس بھی تھا اور قریب ہی ایک نیم فوجی یونٹ بھی۔ ان کی مدد سے وہاں رہنے سہنے کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا اور پوری کی پوری ٹیم اپنے سازوسامان کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئی۔

یہاں پہنچنے کے بعد مجھے اپنے ان ساتھیوں اور دوستوں کو خیرباد کہنا پڑا۔ اگرچہ اس پراجیکٹ پر میں سرکاری طور پر شامل تھا لیکن مجھے ہر بار چھٹیاں لے کر آنا پڑتا تھا اور اب اس بار جو چھٹیاں لے کر آیا تھا وہ اختتام کو پہنچ چکی تھیں۔ اس لئے بادل ناخواستہ مجھے اپنی ڈیوٹی پر واپس لوٹنا پڑا۔

بٹراسی میں حملے کا یہ سین بڑی عمدگی سے فلمایا گیا۔ وہاں فوج کی روایتی EFFICIENCY ——— کی بنا پر ساری سہولتیں اور سامان مہیا کر دیا گیا اور یہاں پہلی بار ٹی وی کے کرداروں کے علاوہ اصل فوجی بھی استعمال کئے گئے اور کچھ حد تک اصلی رنگ آمیزی کی خاطر اصلی گولہ بارود بھی۔ جب ہم اصلیت اور حقیقت کے اتنے قریب آنے کی کوشش کریں تو کوئی نہ کوئی حادثہ ہو کر رہتا ہے۔ آپ لاکھ احتیاطی تدابیر اختیار کریں لیکن ان تمام تر کوششوں اور احتیاطوں کے باوجود کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہو ہی جاتی ہے' کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے اور وہی ہوا۔ حملے کے سین کو فلمائے جانے کے دوران ایک گولے کے پھٹنے سے فاسفورس کا ایک ٹکڑا اڑا اور اڑ کے سلیم ناصر کے کاندھے سے آ چپکا۔ اگرچہ بڑی تیزی سے اس کا اس سے چھٹکارا کروا دیا گیا لیکن وہ اپنی نشانی چھوڑ گیا۔ گویا کہ جلن کا کاندھے پر ایک داغ سلیم ناصر کیلئے تمغہ حسن کارکردگی بن گیا۔

یہاں کام ختم کرنے کے بعد کنور آفتاب اپنی ٹیم کو لے کر ایک بار پھر مظفر آباد لوٹا۔ اور وہاں سے کوہالہ کی جانب روانہ ہوا۔ یعنی وہ کام جو فلم میں کوہالے سے مظفر آباد تک دکھایا جاتا ہے۔ اسے الٹے قدموں فلم کیا گیا۔ فلم میں 48ء کے زمانے میں استعمال ہونے والی ایک فوجی گاڑی دکھائی تھی۔ یہ فوجی گاڑی سے عام اصطلاح میں CWT 5 یا فائیو ہنڈرڈ ویٹ کہا جاتا ہے۔ اس میں سامان ہی لے جاتے دکھایا جانا مقصود تھا کہ اس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ ایک جنگ لڑنے کیلئے کس قدر کم وسائل پر انحصار کیا جا رہا تھا اور یہ کہ نقل و حرکت کیلئے صرف ایسی ہی ٹرانسپورٹ استعمال کی جا سکتی تھی اور باقی لوگ پیدل ہی منزل سے منزل تک پہنچتے تھے۔ لیکن ان فائیو ہنڈرڈ ویٹ گاڑیوں کو متروک ہوئے ایک زمانہ ہو چکا تھا۔ پھر بھی

فوج والوں نے کہیں نہ کہیں سے ہمیں یہ ایک گاڑی مہیا کر ہی دی جو کہ بہت بڑی بات تھی اور اس گاڑی نے بھی صرف اپنی چال کا اتنا ہی مظاہرہ کیا جتنا آپ نے ڈرامے میں دیکھا ہو گا۔ پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

اسی سلسلے میں اس ڈرامے کا ایک مختصر سا سین بھی فلمایا گیا جس میں کوہالے کے پل پر ڈیوٹی دینے والے ایک بوڑھے کپتان کا کردار دکھایا گیا تھا کہ وہ اپنی عمر اور پھر عمر کی بنا پر جسم کی وجہ سے محاذ پر بھیجے جانے کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ البتہ اسکی تقرری ایک مقابلتاً ہلکی ڈیوٹی والے مقام یعنی کوہالہ پل پر تھی۔ اگرچہ اسکی ڈیوٹی بڑی عام نوعیت کی تھی لیکن جب وہ ہر روز جذبہ جہاد سے سرشار لوگوں کو وہاں سے آتے جاتے دیکھتا تو اپنا دل مسوس کر رہ جاتا کہ وہ بھی اس عظیم کام میں اوروں کی طرح کیوں نہیں شامل ہو سکتا۔ اس جگہ کیپٹن سرور کو رخصت کرتے وقت بوڑھے کپتان (اعجاز بیگ) نے جس دلی تاثر سے اپنے کردار کی زبان میں کچھ فقرے ادا کئے جو وہ کیپٹن سرور کے شکریئے ادا کرنے پر کہتا ہے وہ کچھ اس طرح سے تھے۔

"یہ ہمارا اعزاز ہے کیپٹن "YOU SEE I HAVE GONE OLD AND I ALWAYS TELL THIS TO EVERY YOUNGER OFFICER WHO CROSSES THIS BRIDGE, YOU MUST HAVE CROSSED MANY BRIDGES BUT WHEN YOU CROSS THIS ONE, ALWAYS REMEMBER-

کہ جس وادی میں تم داخل ہو رہے ہو۔ اس میں جہاں قدم قدم پر مظلوموں کا خون بکھرا ہوا ہے۔ وہاں ہر پتھر پر بہادری کی داستانیں بھی رقم ہیں...... سرور، تم جوان ہو، لڑ سکتے ہو، میں بوڑھا نہ ہوتا۔ تو تمہارے ساتھ چلتا۔ خوش قسمت ہیں وہ جو ادھر جاتے ہیں مگر واپس کبھی نہیں آتے۔ میں تو دن میں کئی بار آتا جاتا ہوں۔"

اب خدا جانے ماحول کا اثر تھا یا ان جذبوں کا...... جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا کہ اعجاز بیگ نے یہ فقرے پورے جذباتی انہماک سے اس طرح ادا کئے کہ وہ اپنے اصلی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور خود بھی پھوٹ پڑا۔ اور خاصی دیر بعد خود پر قابو پا سکا۔

اس زمانے میں جو آزادی کی تڑپ، لگن اور جذبہ تھا۔ اس کا اس سے بہتر اور جامع کیا اظہار ہو سکتا تھا۔ آزادی کی وہ جنگ جو آج سے چوالیس سال پہلے شروع ہوئی تھی وہ سلگی، بھڑکی، ٹھنڈی ہوئی، پھر سلگی، پھر سرد ہو گئی اور اب ایک بار پھر سے شعلہ جوالہ بن کے اٹھی ہے اور لگتا ہے کہ اب تو اس جنت نظیر وادی کشمیر کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ باقی رہ جائے۔ جس پر آج کے مجاہدوں کے خون سے تحریر کردہ نشانات ثبت نہ ہو جائیں۔ اور اب تو ان متوالوں میں بچے، بوڑھے، عورت، مرد کسی کی تخصیص نہیں رہی لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کشمیری جنہیں آج سے سوڈیڑھ سو سال پہلے زن بچہ، مال مویشی، مکان زمین سمیت سات روپے فی کس کے حساب سے بیچ کر غلام بنا دیا گیا تھا۔ اب اپنی آزادی حاصل کرنے کیلئے کیا۔ اور کتنی قیمت ادا کرتا ہے... فی زمانہ سکہ رائج الوقت خون اور جان کی قربانی ہے جس کی داستانیں خدا جانے کتنی صدیوں تک دہرائی جاتی رہیں گی۔ اس زمانے میں جس جذبے سے ان لوگوں نے جنگ لڑی تھی

اُسکا پورے طور پر اظہار کرنے کیلئے ڈرامے کی اس ٹیم نے کسی کم جذبے کے ساتھ کام نہیں کیا۔ ہر ایک نے اپنے کردار کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ پروڈکشن ٹیم کے ہر فرد نے اپنا کام پوری تندہی سے کیا۔ لیکن اب اللہ معلوم کہ حالات کا تقاضا تھا یا پروفیشنل ضرورت کا' کہ کنور آفتاب نے نشان حیدر ڈرامے کو فلماتے ہوئے اس طرح ڈوب کے خود بھی BEYOND THE CALL OF DUTY ______ ______ کام کیا کہ ایک سین میں حقیقی رنگ بھرنے کیلئے جب وہ اپنے کیمرہ مین کو لے کر دریائے جہلم میں ایک چٹان پر کھڑے ہو کے فلم بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ تو ڈوبتے ڈوبتے تو بچ گیا لیکن ایک دوسری انہونی ہو کر رہی۔ اب پتہ نہیں اس کو اس کے ______ VERTIGO ______ نے آلیا یا پانی کی روایتی کشش نے کھینچا۔ فی الحقیقت پاؤں پھسلا یا بے دھیانی میں کسی پھسلنی جگہ پر پاؤں رکھا اور وہاں سے گرا تو اپنی ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے تڑوا بیٹھا۔ وہ تو شکر ہے کہ وہ پانی کے تیز ریلے سے دور تھا۔ وگرنہ تو ڈوبنا لازمی تھا اور اسکے علاوہ...... بس اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ ابتدا میں کچھ دیر تک کنور آفتاب کو اپنی اس چوٹ کا اندازہ نہیں ہوا لیکن کچھ دیر بعد درد کی شدت نے وہاں سے چل پڑنے پر مجبور کر دیا۔ ویسے بھی کام تقریباً ختم ہو چکا تھا تو واپسی پر مری تک پہنچتے پہنچتے ٹانگ سوج کے کپّا ہو چکی تھی اور درد ناقابل بیان حد تک بڑھ چکا تھا۔

پنڈی پہنچنے کے بعد صورتحال کی سنگینی کا اصل اندازہ ہوا کہ یہ معمولی موچ وغیرہ نہیں تھی بلکہ ٹانگ کی ہڈی دو مقام سے ٹوٹ چکی تھی۔ نتیجتاً پاؤں پر پلستر چڑھا اور جیسے کہ ہوتا ہے کہ وہ چھ ماہ تک پاؤں پر چڑھا رہا۔ ڈرامے کا کام جہاں تک ہو چکا تھا وہاں ہی ٹک کے رہ گیا' ظاہر ہے اب تک جو کام ہوا تھا وہ تو صرف آؤٹ ڈور ہوا تھا اور ابھی ان ڈور کام سارے کا سارا باقی تھا۔

اس حادثے سے کچھ عرصہ پہلے کنور آفتاب نے اپنے ذاتی حالات کے پیش نظر ٹی وی والوں کو اپنا استعفیٰ بھیج رکھا تھا لیکن ایک طرف ابھی کام مکمل نہیں ہوا تھا۔ دوسرے ٹی وی والوں نے اس پر اپنا فیصلہ محفوظ رکھا ہوا تھا۔ بہر کیف ان لوگوں نے بڑی رواداری کا ثبوت دیا اور نئی صورتحال کے پیش نظر اسکی منظوری التوا میں ڈال دی۔ ورنہ بے چارے کنور آفتاب کیلئے خاصی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

ہمارے مشترکہ دوست فضل کمال نے ایک دن مجھے بتایا کہ میں نے کنور آفتاب سے کہا ہے کہ "تمہیں چاہئے تھا کہ تم اس پراجیکٹ کو مکمل کر کے ہماری ناک پر مارتے اور کہتے لو دیکھو میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے اور اب خدا حافظ۔"

مگر بہر کیف اس کام کا کنور آفتاب کے توسط سے مکمل ہونا ہی مقدر ہو چکا تھا اور اسی نے اسے مکمل کیا بھی۔ چھ ماہ کے بعد جب کنور آفتاب چھڑی لے کر چلنے کے قابل ہوا تو اس نے کام کو پھر سے وہاں سے شروع کرنے کی ٹھانی۔ جہاں اسے چھوڑنا پڑ گیا تھا لیکن اس نے ان چھ مہینوں کو ضائع نہیں کیا۔ اس دوران وہ اپنی تیار شدہ فلم کو بار بار اپنے وی سی آر پر دیکھتا رہا۔ اور بقیہ حصے کے لئے پلان کرتا رہا اور اب

جب دوبارہ اس کام کو شروع کرنے کا پروگرام بنایا تواب سب سے پہلے اس سین کو فلمانے کا پروگرام تھا جو کہ ڈرامے کا پہلا سین ہے۔ یعنی کیپٹن سرور کے سکول آف سگنلز میں تربیت کا زمانہ۔

میں نے ایک بار پھر سے آفتاب کو مشورہ دیا کہ میرے ساتھ چلو اور چل کے وہ جگہ دیکھو جہاں سرور نے اپنی تربیت حاصل کی تھی۔ مگر حسب سابقہ پہلے تو وہ رضامند نہیں ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سین ہم سٹوڈیو میں کہیں زیادہ بہتر انداز میں RECREATE تشکیلِ نَو کر سکیں گے لیکن میں بالآخر اسے قائل کر کے وہاں لے ہی گیا۔ اس نے جب ان پرانی بارکوں کو دیکھا، جہاں جنگ پر جانے سے قبل سرور نے ٹریننگ حاصل کی تھی تو وہ وہاں مسحور ہو کے رہ گیا۔ کہنے لگا

"یار یہ تو بہت ہی آئیڈیل جگہ ہے، میں تمام متعلقہ مناظر کو یہیں فلماؤں گا۔"

ایک بار پھر دوبارہ سے تمام کاسٹ کو اکٹھا کیا گیا۔ یہ بذات خود ایک دشوار مرحلہ تھا کیونکہ اس دوران ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیات اور کومٹ منٹ ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود ایک ایک کر کے سبھی پہنچ گئے اور سب سے بڑی شکر کی بات یہ تھی کہ سبھی بخیر و عافیت تھے، ورنہ ایک اور بڑا مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ اب وہاں کچھ سین فلمائے گئے اور اس کے بعد کچھ پنڈی سٹوڈیو میں فلمائے گئے۔

یہ کام مکمل کر لینے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کچھ ان ڈور مناظر کراچی میں فلمائے جائیں گے۔

کنور آفتاب نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا اور میں ایک بار پھر سے چھٹیاں لے کر اپنے خرچ پر کراچی پہنچا۔ اگر چہ بظاہر پروڈکشن کے سلسلے میں میری وہاں کوئی خاص ضرورت نہیں تھی لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ کب کسی کو کس وقت کہاں کیسی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ بہر کیف وہاں چند ایک چھوٹے چھوٹے مگر اہم معاملوں میں میری موجودگی سود مند ثابت ہوئی۔ مثلاً جب سکول آف سگنلز کے کمانڈنگ آفیسر (طلعت حسین) کے سامنے سرور کی پیشی کا سین فلمائے جانے کیلئے تیار ہوا تو اچانک میں نے نوٹ کیا کہ کمانڈنگ آفیسر کے عہدے کے رینک کے بیج الٹے لگے ہوئے ہیں۔ میں نے جب ان لوگوں کو کام روکنے کے لئے کہا تو کنور آفتاب جھلّا کے او۔ بی وین سے نکل کے آیا کہ میرے کام میں یہ مداخلت بیجا کس نے کی ہے۔ جب میں نے اس کی اس غلطی کی جانب توجہ دلائی۔ تو کہنے لگا، یار چھوڑو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے مگر میں نے اسے سمجھایا کہ تمہاری تمام محنت ایک طرف لیکن یہ چھوٹی سی غلطی تمہارے سارے کام اور محنت پر پانی پھیر دے گی۔

خیر غلطی کا ازالہ کر دیا گیا اور اس میں کیا شک ہے کہ ہم نے وردی، ہتھیار، گاڑیوں، بنکر وغیرہ میں ان سب جزئیات کا خیال رکھا تھا اور یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ اگر خدانخواستہ یہاں کسی قسم کی ایسی کوتاہی سرزد ہو جاتی تو لوگ ہماری سب محنت کو بھول بھال کر اسی ایک بات کو لے اڑتے۔ اسکے بعد سے میں نے یہ فرض سنبھال لیا کہ ہر سین کے فلمائے جانے سے پہلے میں وردی کی تمام جزیات کو چیک کر

لوں۔

کراچی میں ہی ڈرامے کی ایک کردار سکینہ سموں کو اپنا کردار ادا کرتے دیکھا۔ فلم کا ایک حصہ مکمل کرنے کے بعد جب اسے وہیں سٹوڈیو میں چلا کے دیکھا گیا، تو مجھے اسکی ایک بات آج تک یاد ہے۔ کہنے لگی کہ :

"ہم تو میک اپ کے بغیر ہی اس میں کتنے خوبصورت نظر آتے ہیں۔"

سکول آف سگنلز میں چیف انسٹرکٹر (میجر) کے ایک مختصر سے کردار کیلئے آفتاب نے امتیاز احمد (مرحوم) کو چنا۔ امتیاز احمد صاحب جو کہ ایک ریٹائرڈ سویلین آفیسر تھے وہ فی الواقع ان لوگوں میں سے تھے جو کردار خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس میں اپنی ندرت اور ادائیگی سے جان ڈال دیتے تھے۔ انہوں نے اس مختصر سے کردار میں بھی اپنا رنگ جما کے چھوڑا۔

اسی طرح اگرچہ طلعت حسین جنھوں نے سکول کے کمانڈنگ آفیسر کا کردار ادا کیا تھا وہ بھی اپنے کردار میں خوب جچے، اور لطف یہ ہے کہ ٹی وی کی دنیا میں یہ سب لوگ بڑے نام اور شہرت کے حامل تھے مگر ان میں سے کسی نے بھی ایک مختصر کردار ادا کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

ان کے علاوہ کراچی میں پرانے کرداروں میں سے صرف سلیم ناصر کے پارٹ کے کچھ حصے فلمائے جانے تھے۔ اس وقت تو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ کوئی کردار کتنی خوبی سے اپنا پارٹ ادا کر رہا ہے کیونکہ بیشتر کردار دھیمی نوعیت کے تھے۔ ان کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فوجی تھے اور زندگی سے قریب تر تھے لیکن جب فلم کو اپنی فائنل شکل میں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ جو بظاہر سیدھے سادے انداز میں ایک کردار اپنا پارٹ کرتا نظر آتا تھا۔ اس میں ادائیگی کرنے والا اس کردار کو سمجھ کے اور کس حد تک ڈوب کے کام کرتا ہے اور وہ تمام فقرے اور الفاظ جو اسکی زبان سے بظاہر عام انداز میں ادا ہوتے نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ ان میں حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے ایک اداکار یا اداکارہ کس طرح اپنے دل کی گہرائیوں اور جذبات کی پنہائیوں کے ساتھ اسے ادا کرتا ہے اور اس امر کا تو ایک ناظر اندازہ ہی نہیں لگا سکتا کہ یہ جو دو ڈھائی گھنٹے کا کھیل جو وہ ایک نشست میں بیٹھ کے دیکھتا ہے اس کے پیچھے کتنی محنت، کتنی کاوشیں، کتنی صعوبتیں اور کتنے لوگوں کی تگ و دو شامل ہوتی ہے۔ نشان حیدر تو خیر اپنی نوعیت کا ایک بالکل علیحدہ اور عام ڈگر سے ہٹ کے ایک ڈرامہ تھا۔ اس لئے اس کو کچھ زیادہ ہی خون جگر سے سینچنا پڑا تھا اور اس میں انسانی المیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔

کراچی میں ہی جب سب لوگ ایک دن شوٹنگ میں مصروف تھے تو سٹوڈیو میں ہی کنور آفتاب کے نائب قنبر علی شاہ کو اپنی شریک حیات نجمہ محبوب کی فلمی شوٹنگ میں ریل کے حادثے کی خبر ملی۔ ہم سب اتنے مہینوں سے ایک ساتھ تھے۔ اس لئے ایک دوسرے سے خاص تعلق خاطر ہو گیا تھا لیکن یہ سب کچھ ایسے اچانک ہوا کہ ہم لوگ شاہ صاحب سے پورے طور پر افسوس بھی نہ کر سکے۔ دراصل اس وقت تک

لوگوں کو نہ علم تھا اور نہ ہی یقین تھا کہ نجمہ محبوب حادثے میں جاں بحق ہو گئی ہیں۔ خیال یہی تھا کہ شاید......
مگر۔

یہاں کام ختم ہوا تو پنڈی واپسی ہوئی۔ اب کنور آفتاب نے اب تک بنائی گئی فلم کی ایڈیٹنگ کرنی تھی اور پھر اسکے بعد اسکے ٹائیٹل تیار کرنے تھے۔

اس زمانے میں پشاور میں نیا نیا ٹی وی سنٹر قائم ہوا تھا اور وہاں جدید ترین مشینیں نصب ہوئی تھیں۔ اس لئے اس کام کیلئے آفتاب پشاور چلا گیا اور اسکے اپنے اندازے کے برعکس صرف ایڈیٹنگ کے کام میں ایک مہینہ صرف ہوا۔

یوں آزاد کشمیر، پنڈی، کراچی اور پشاور میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اس ڈرامے کو تکمیل تک پہنچتے پہنچتے تقریباً ایک سال کا طویل عرصہ لگ گیا۔ اگر اسے صرف ایک ڈرامہ سمجھا جائے تو تب تو یہ بہت سارا وقت ہے مگر اسے ایک اولین پائلٹ پراجیکٹ سمجھا جائے اور یہ سوچا جائے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور انوکھا تجربہ تھا جس میں حادثات بھی ہوئے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانا بھی پڑا۔ سامان اور ہتھیاروں کی ترسیل کا مسئلہ بھی تھا، کرداروں کو اپنے روایتی انداز سے ہٹ کے فوجیوں کی طرح خود کو پیش بھی کرنا تھا تو پھر یہ کوئی اتنا زیادہ وقت نہیں تھا۔ ایسے قومی نوعیت کے بعض اہم پراجیکٹس پر سالوں لگ جاتے ہیں۔

ڈرامہ مکمل کرنے کے بعد کنور آفتاب فی الواقعہ ٹی وی کو خیرباد کہہ گئے اور اس امید کے ساتھ کہ فی الحقیقت یہ ایک ایسا ڈرامہ تیار ہوا ہے جو بہت سے انعامات کا حقدار گردانا جائے گا پھر اس میں بلاشبہ بڑے بڑے نام بھی تھے مثلاً سلیم ناصر، عثمان پیرزادہ، شکیل، طلعت حسین، امتیاز احمد، سکینہ سموں، عمران پیرزادہ، خالد بٹ، خالد حفیظ، اعجاز بیگ اور بہت سے جن سب کے نام شروع میں دیئے جا چکے ہیں یہاں ان کو دہرانے کا مقصد صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ جس طرح انگریزی زبان میں بنائی جانے والی ایسی قومی اہمیت کی فلموں میں بڑے بڑے نامور اداکار اپنی شمولیت کو ایک قومی اعزاز سمجھتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس میں مرکزی کردار ہمارا نہ ہوا تو ہماری شان اور ہمارے نام میں فرق پڑے گا بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس نوعیت کے قومی اہمیت کے حامل پراجیکٹ میں شمولیت پراجیکٹ کیلئے نہیں بلکہ ان کے اپنے لئے باعث صد افتخار ہے۔ یوں اس لحاظ سے نہ صرف یہ ڈرامہ اولین اور یکتا ہے بلکہ اس کی کاسٹ میں نامور کام کرنے والے بھی......اور انہوں نے کردار کی اہمیت سے قطع نظر اپنے چھوٹے چھوٹے کرداروں کو بھی بڑا قد آور ثابت کر دکھایا۔

لیکن ان تمامتر خوبیوں کے باوجود...... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ڈرامے کے تکمیل کے بعد بھی اسے فوراً ٹی وی پر پیش نہیں کر دیا گیا بلکہ اب اس بات کا انتظار تھا کہ اسے کسی مناسب موقع پر ٹیلی کاسٹ کیا جائے۔ مختلف تاریخوں کے بارے میں سوچا گیا، بالآخر نزدیک ترین مناسب دن تاریخ 23 مارچ 1984ء کو سمجھا گیا۔ اس تاریخ کی آمد کے قریب ٹی وی پر اسکے ٹیلی

کاسٹ ہونے سے پہلے تعارفی ٹیپ دکھائے جانے لگے۔ نشان حیدر اور فوجی نوعیت کا پہلا ڈرامہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں اشتیاق پیدا ہوا' پھر اسکا تعارفی حصہ ویسے بھی بڑا دلچسپ اور ڈرامائی تھا۔

ڈرامہ رات ساڑھے نو بجے کے بعد دکھایا جانا تھا۔ لوگوں کو اسکی طوالت کا اندازہ نہیں تھا۔ کئی اصحاب نے اپنی مصروفیات کو مؤخر کیا تاکہ یہ ڈرامہ دیکھ سکیں۔ ایک خاتون کے بارے میں علم ہوا کہ وہ ہسپتال میں داخل تھیں۔ انہیں ان کی تکلیف کے پیش نظر مسکن دوائیں دی گئی تھیں لیکن انہوں نے خود کو جگائے رکھا اور اس رات ہسپتال سے گھر آ گئیں تاکہ اسے دیکھ سکیں اور ان کی بدقسمتی کہ عین وقت پر دواؤں نے اثر دکھایا اور وہ سو گئیں۔ انہیں ڈرامہ نہ دیکھ سکنے کا بڑا دکھ ہوا۔ خیر بعد میں بازار میں اسکے کیسٹ دستیاب ہونے لگے۔

ڈرامہ مقررہ تاریخ اور وقت پر دکھایا گیا۔

اب ایک بار پھر یہ پہلا ڈرامہ تھا جس کا دورانیہ دو گھنٹے سے زیادہ تھا۔ اسکے بعد تو طویل دورانیے کے ڈراموں کی قطار لگ گئی تھی۔ یہ ڈرامہ کہیں آدھی رات کے بعد جاکے ختم ہوا۔ اسکے فوراً بعد ہی ایک اعلیٰ افسر کا فون موصول ہوا کہ یہ اتنا منہمک کر دینے والا ڈرامہ تھا کہ ہمیں وقت کا احساس تک نہیں ہوا اور نہ ہی کہیں بوریت محسوس ہوئی اور نہ ہی اسکی طوالت بار گزری۔

اسکے بعد چند پرانے فوجی افسروں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے کئی خود بھی ان تاریخی واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ ان میں سے بعض تو خود اہل قلم اور اہل سیف ہونے کی حیثیت سے بڑی نقادانہ نظر رکھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فی الواقعہ یہ سب کچھ ایسے ہی ہوا تھا جس طرح کہ اس ڈرامے میں دکھایا گیا تھا۔ میرے خیال میں اس ڈرامے کے بارے میں اس سے زیادہ مناسب تبصرہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ فوجی حضرات تو جزویات اور حقائق سے انحراف کو ناقابل معافی جرم گردانتے ہیں۔

اکثر مقامات پر لوگوں کو اسکے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے پایا۔ سننے میں آیا کہ میجر (کرنل) شبیر کے گھر والوں نے کنور آفتاب کو بتایا کہ ہمارے ابو بالکل ایسے ہی ہیں جیسا کہ انہیں ڈرامے میں دکھایا گیا تھا۔

اسکے علاوہ ٹی وی کو تو اسکی تعریف میں سینکڑوں کی تعداد میں خطوط موصول ہوئے اور اب سات سال کے بعد اسے دوبارہ 22 مارچ 1991ء میں ٹیلی کاسٹ کیا گیا **اور امی سال تیسری بار ۱۴ ستمبر کو۔**

اس زمانے میں ٹی وی والوں کا پروگرام تھا کہ تمام کے تمام نشان حیدر پانے والوں کے بارے میں اس نوعیت کے ڈرامے پیش کئے جائیں گے۔ ایک سال میں ایک اور دو دو کی تعداد میں یہ کام مختلف سنٹروں کے سپرد کر دیا گیا مگر ان بہت سارے سالوں میں صرف دو اور ڈرامے یعنی میجر محمد طفیل شہید اور فلائٹ لیفٹننٹ راشد منہاس کے بارے میں ہی پیش کئے جا سکے۔ باقیوں پر کام کیوں نہیں ہو سکا یا کیوں نہیں کیا گیا تو اسکا جواب متعلقہ حضرات ہی دے سکتے ہیں۔

یہاں البتہ ایک بات کہنے کی جسارت کروں گا کہ دنیا بھر میں ہر ملک ہر قوم اپنے ان ہیروز کو یاد رکھنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتی جنہوں نے اپنے خون سے اور جان کا ہدیہ پیش کر کے اپنے ملک کی تاریخ رقم کی ہوتی ہے۔ ایسے واقعات کو قلم بند کرلینا یا فلم بند کرلینا ہمارا ایسا قومی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ جس میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہی چیزیں تو قوم کا مورال بلند کرتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اسکے بارے میں اب نہیں پیش رفت کریں گے تو کب کریں گے؟ کیا اس وقت جب تاریخ کی گردان پر مٹی کی دبیز نہیں جما چکی ہوگی یا جبکہ ان واقعات کے چشم دید گواہ مٹ چکے ہوں گے یا ان کی یادداشتیں ختم ہو چکی ہوں گی۔ یا پھر جب ان میں سے ہر ایک کے درمیان بتیس، پینتیس سال کا وقفہ ہو چکا ہو گا...... ؟

آپ دیکھیں گے! کہ بہت جلد خلیج کی جنگ کے بارے میں امریکی فلمیں بننی شروع ہو جائیں گی جس میں وہ اپنے ان فوجی جوانوں کی خوبیاں بیان کریں گے جن کی شکل تک نہیں دیکھی اور انہیں دور بیٹھے دوسرے جہاں کا پروانہ عطا کر دیا یا پھر اپنی ہائی ٹیک کے کمالات اپنے اعلیٰ ترین ہتھیاروں کی کارکردگی کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے دشمن کی برتری 'ان کی آٹھ سالہ جنگی تربیت ان کے عمدہ دفاعی نظام 'ان کے ایٹمی اور جراثومی ہتھیاروں کا خوف 'ان کے میزائلوں کا ڈراوا۔ یہ سب دکھایا اور پھر یہ کہ ان کے سکڈ میزائل تو ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے 'بلکہ ہمارے پیٹریاٹ میزائل نے ان کو ہدف پر پہنچنے سے پہلے ہی نیست ونابود کر دیا یہاں تک کہ اپنے اس میزائل پر گانے بھی لکھ ڈالے۔ سال بھر کے عرصے میں ان کے جنرل شوارزکوف اپنی یادداشتیں تحریر کر کے پچاس لاکھ ڈالر کی خطیر رقم حاصل کریں گے اور جب فلمیں بنیں گی تو اپنی خوبیاں اس طرح بیان کریں گے کہ لوگ یہ نہ جان پائیں گے کہ یہ کیسی جنگ تھی کہ جس میں اپنے تو صرف سو سوا سو فوجی مارے گئے جبکہ مخالف عراقیوں کے لاکھوں کی تعداد میں اور یہ کہ جب انہیں مارا جارہا تھا ان سے کوئی رعایت نہیں برتی گئی تھی۔

ایک زمانے میں راقم الحروف نے ایک تحقیق کی تھی کہ پتھر کے زمانے سے اب تک کی جنگوں میں فاتح اور مفتوح کے درمیان مارے جانے والوں میں ایک اور دو کا تناسب رہا تھا لیکن ایٹمی جنگ ہونے کی صورت میں کیا نقصان ہو گا۔ اس کا ادراک ممکن نہیں تھا لیکن خلیجی جنگ جو نہ تو ایٹمی تھی اور نہ ہی کیمیاوی نہ ہی جراثومی 'مگر اس کا تناسب بالکل ہی غیر متناسب تھا اب جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے اسکے نتیجے میں کتنی مخلوق خدا ماری جاتی ہے۔ اسکا علم تو خدا کو ہی ہو گا مگر کشمیری حریت پسندوں نے اس بار تو فی الواقعہ اپنی داستان حریت کا ہر لفظ اپنے خون سے لکھنے کی ٹھانی ہوئی ہے وہ جدوجہد جو تقسیم کے فوراً بعد شروع ہوئی تھی اب بالکل مختلف انداز میں جاری وساری ہے اور کون جانتا ہے کہ کب تک جاری رہے گی۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ یہ جوت تو سرور شہید اور اسکے ساتھیوں نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر جلائی تھی۔ صحیح معنوں میں بھڑکی تو اب ہے لیکن اب ہم سوائے اخلاقی مدد دینے کے اور کچھ کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ یہ حالات اور وقت کا عجیب تماشہ ہے، جو کبھی کچھ دکھاتا ہے اور کبھی کچھ۔

ڈرامہ نشان حیدر کا پس منظر اور پیش منظر بیان کرتے ہوئے ہم نے بہت سے ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے جن کا بظاہر تو اس ڈرامے سے تعلق محسوس نہیں ہوتا مگر ان سب کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلمہ ہے اور اب چونکہ یہ کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے تو یہ اس واقعے کے دوام کی ایک اور شکل ہے اس لئے اس کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے اور پھر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ یہ صرف ایک ڈرامہ نہیں بلکہ جدوجہد کے ایک دور کا ایک منظر ہے۔ یہ ہماری ملکی، قومی اور عسکری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے اور اس میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے کہ دنیا کے حالات خواہ کچھ سے کچھ ہو جائیں۔ جس خطے میں ہم رہتے ہیں اور جس قسم کے مسائل سے ہم دوچار ہیں اور س طرح مستقلاً ہمیں اپنے خفی اور جلی دشمنوں سے ہوشیار اور خبردار رہنا پڑ رہا ہے، اور رہنے کی ضرورت ہے، تو یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ ایسے درخشندہ باب کی روشنی میں ہماری موجودہ اور آنے والی نسلیں شاید اور کئی قابل فخر باب رقم کرنے کے قابل ہو پائیں۔

محمد اسمٰعیل صدیقی

12/اگست 1991ء

نشانِ حیدر

تحریر............ محمد اسماعیل صدیقی

ہدایات و پیشکش............ کنور آفتاب احمد

کردار

کیپٹن سرور شہید	سلیم ناصر (مرحوم)
لیفٹیننٹ کرنل آدم خان	عثمان پیرزادہ
میجر شبیر حسین	خالد بٹ
کیپٹن محمد جمشید	خالد حفیظ
لیفٹیننٹ ذوالفقار علی	عمران پیرزادہ
کیپٹن سرور کی بیوی	سکینہ سموں
کیپٹن سرور کا بیٹا محمد صفدر	
کمانڈنگ آفیسر (سگنل سکول)	طلعت حسین
کیپٹن فرید (سکول)	شکیل
چیف انسٹرکٹر (سگنل سکول)	امتیاز احمد (مرحوم)
کیپٹن (سگنل سکول)	
کیپٹن کوہالہ برج	اعجاز بیگ
سپاہی فرمان علی	افضال لطیفی

سین نمبر 1

دھماکے سے بم پھٹتا ہے گولہ باری کے چند مناظر' ہندی فوج کے مشین گنر گولیاں برساتے ہوئے' ہندی فوج کے آگے بڑھنے کے مناظر' کشمیری مہاجرین پریشانی کے عالم میں اپنے گھروں سے بھاگتے ہوئے مرد' عورتیں' بوڑھے اور بچے سامان اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ہندی فوجوں کی یلغار کے نتیجے میں اپنے گھر چھوڑ کر آزاد کشمیر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ایک بار پھر ہندی فوجیوں کے حملے کا سین اس طرح مونتاز بنتا ہے کشمیری لوگ بھاگتے اور لڑتے ہوئے یہ منظر ساکت ہو جاتا ہے۔

---- CUT ---- TO

سین نمبر 2

سگنل سکول کا کمرہ

ڈٹ ڈٹ ڈاٹ' ڈٹ' ڈٹ' ڈاٹ ڈاٹ

کیمرہ سرور کے ہاتھوں پر ہاتھ MORSE مورس پر ڈِٹ ڈاٹ کے طریقے پر پیغام رسانی کی پریکٹس کر رہا ہے۔ کیمرہ TILT UP کرتا ہے تو سرور نظر آتا ہے وہ بہت انہماک سے اپنے کام میں مشغول ہے کیمرہ سارے کمرے کو SHOW کرتا ہے کیپٹن فرید بھی اسی کام میں لگا ہوا ہے۔

ایک انسٹرکٹر کمرے میں گھوم پھر کر اپنی طمانیت کا اظہار کرتا ہے سرور کسی نئی FREQUENCY ــــــــ پر جاتا ہے اور اسکے چہرے پر شدید رد عمل پیدا ہوتا ہے۔ وہ بڑے غور سے سنتا ہے اور کچھ لکھنے لگتا ہے۔

سرور = فرید۔ فرید

فرید = YES CAPTAIN

سرور = تم کس FREQUENCY پر ہو فرید

فرید = پر

سرور = پر کرو اور جو MESSAGE آئے اسے نوٹ کرو

فرید = فرید بھی اسی "فری کوئنیسی" پر آجاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھ جاتے ہیں اور لکھنے لگتے ہیں۔ انسٹرکٹر وہاں سے گزرتا ہے

سرور = سر۔ سر!

انسٹرکٹر = یس کیپٹن سرور

سرور = سر! یہ سنیں۔

انسٹرکٹر = ہوں۔ ہوں۔ تم نے کچھ اور سنا۔

سرور = سر میں نے یہ پیغام ابھی ابھی INTERCEPT کیا ہے

انسٹرکٹر = ویل ڈن سرور THIS IS A VERY IMPORTANT MESSAGE.

فرید = میں نے بھی یہ MESSAGE لکھا ہے۔

انسٹرکٹر = YOU TWO LOOK AFTER MORSE

اسی فری کوئنیسی پر رہیں اور مزید انفرمیشن ملے تو نوٹ کریں۔ میں یہ اطلاع CO کو پہنچا کر آتا ہوں۔

(انسٹرکٹر باہر نکل جاتا ہے۔ وہ دونوں پھر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں)

سین نمبر 3

سرور کا کمرہ

بیچلر کوارٹر، سادہ سا کمرہ، فوجی چارپائی، میز اور کرسی، سرور بیٹھا، ٹیبل لیمپ بجھاتا ہے کبھی جلاتا

ہے' منظر پر وہی ڈٹ ڈٹ ڈاٹ کی آواز چھائی ہوئی ہے۔ ٹیبل لیمپ کا جلانا بجھانا سرور کی ذہنی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔ فٹ بال گرنے کی آواز آتی ہے۔ فرید ہاتھ میں فٹ بال لئے داخل ہوتا ہے۔ وہ سارے منظر میں فٹ بال کو اچھالتا اور پھینکتا رہتا ہے۔

فرید = خیر تو ہے' بڑے پریشان نظر آ رہے ہو

سرور = فرید' آؤ آؤ

فرید = کیا بات ہے سرور؟

سرور = کچھ نہیں

فرید = کورس میں کوئی مشکل ہے۔

سرور = نہیں تو

فرید = گھر میں کوئی پریشانی؟

سرور = نہیں

فرید = FINANCIAL PROBLEM (مالی مشکلات)

سرور = NO FARID (نہیں فرید)

فرید = EVERYTHING OK سب اچھا

سرور = سب اچھا تو نہیں ہے فرید

فرید = اگر سب اچھا نہیں ہے تو پھر کیا ہے

سرور = کل کی INTERCEPTION ______ تمہارے ذہن میں نہیں ہے کیا؟

فرید = OH ! دشمن نے SUMMER OFFENSIVE (موسم گرما کا حملہ) شروع کر دیا ہے نا؟

سرور = ہاں

فرید = سرور' حیرانی تو اس بات کی ہے کہ اتنا لیٹ کیوں ہوا۔
WE EXPECTED THIS EVENT EARLIER. DO YOU KNOW THE LATEST?
(ہمیں تو اس کی کہیں پہلے توقع تھی' تازہ ترین خبر کیا ہے؟)

سرور = ہاں مختلف محاذوں پر دشمن کا دباؤ بڑھ رہا ہے

فرید = یہ بھی ہونا تھا OFFENSIVE (حملے) کا یہ فائدہ تو ہوتا ہی ہے مگر دوسری جانب دشمن کو بھی سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔

سرور = فرید۔ ایک ہفتہ ہوا میری پلٹن بھی محاذ پر پہنچ گئی ہے۔ سیکنڈ فرسٹ پنجاب۔

فرید = پھر

سرور = سیکنڈ فرسٹ پنجاب محاذ پر میرے بغیر میرے ساتھی محاذ پر جنگ لڑ رہے ہیں اور ہم یہاں " پیس

لوکیشن" کے مزے لوٹ رہے ہیں' روٹیاں توڑ رہے ہیں۔

فرید = ہم روٹیاں توڑ رہے ہیں۔ وہ بھی ڈیوٹی پر ہیں اور ہم بھی۔ جو کام تم سیکھ رہے ہو سرور اسکی بھی تمہیں اور تمہاری یونٹ کو محاذ جنگ پر ضرورت پڑے گی۔

سرور = (میز پر کھٹکھٹاتے ہوئے) ڈٹ ڈٹ ڈاٹ ڈاٹ۔ میں ایک لڑنے والا سپاہی ہوں فرید۔ مجھے گولوں کی گھن گرج پسند ہے۔ جب یونٹ یہاں سے گزری تو جی چاہتا تھا سب چھوڑ چھاڑ ان کے ساتھ چل پڑوں۔

فرید = یہ فوجی ڈسپلن کے خلاف ہے

سرور = تبھی تو یہاں بیٹھا ہوں

فرید = تم نے سینئر انسٹرکٹر سے بات کی؟

سرور = کی تھی۔

فرید = کیا کہا؟

سرور = ظاہر ہے!

فرید = چیف انسٹرکٹر سے ملتے

سرور = وہ اس سے بھی زیادہ قانونی بندہ ہے

(فرید کچھ سوچتا ہے' پھر اسکے چہرے پر مسکراہٹ آتی ہے اور وہ ناخن سے فٹ بال پر ڈٹ ڈٹ ڈاٹ ڈاٹ مورس میں پیغام دیتا ہے۔ سرور کے چہرے پر مسکراہٹ آتی ہے۔)

سرور = ———— C.C.O. سی۔ سی۔ او۔ (کمانڈنگ افسر سے ملو)

---- CUT TO ----

سین نمبر 4

کمانڈنگ آفیسر کا کمرہ' کیپٹن سرور سیلوٹ کرتا ہے

سی او = لیس کیپٹن سرور

سرور = سر میں نے ایک REQUEST (درخواست) کی تھی۔

سی او = I AM AFRAID THIS IS NOT POSSIBLE. YOU SEE RULES ARE RULES

(میرے خیال میں ایسا ممکن نہیں کیونکہ قانون آخر قانون ہی ہوتا ہے)

سرور = مگر سر۔

سی او = سرور۔ ہر اچھا سپاہی وہی چاہتا ہے۔ جو تم چاہتے ہو۔ مگر تمہارا کورس ختم ہونے میں ابھی د،

ہفتے باقی ہیں۔

سرور = سر کورس تو ختم ہو چکا۔ صرف دہرائی باقی ہے۔

سی او = تم سمجھتے ہو اسکی کوئی اہمیت نہیں؟

سرور = سر میرا ٹیسٹ لے لیں۔ اگر فیل ہو جاؤں تو اجازت نہ دیں۔

سی او = سرور یہ سگنل ٹریننگ جو تم لے رہے ہو تمہارے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ لیکر ہی تم محاذ پر جا سکتے ہو۔ یہ مت بھولو کہ اب تم ایک سگنل آفیسر ہو۔

سرور = سر میں ٹیسٹ کیلئے تیار ہوں۔

سی او = میں تمہارے انسٹرکٹر سے بات کرتا ہوں۔ میجر نیاز آپ ذرا میرے دفتر آ جائیں۔ سرور! TELL ME (مجھے بتاؤ) تمہیں کیوں احساس ہے کہ تم محاذ پر نہیں ہو۔ تم اپنی جو ڈیوٹی یہاں پر کر رہے ہو وہ بھی اتنی ہی ضروری ہے۔

سرور = سر۔ میری ڈیوٹی۔ سکینڈ فرسٹ پنجاب کے ساتھ ہے اور وہ محاذ پر ہے۔ (نیاز داخل ہوتا ہے)

سی او = نیاز سرور کی درخواست آپ کے علم میں ہے

میجر نیاز = یس سر! مگر سر رولز اسکی اجازت نہیں دیتے۔

سی او = وہ میں اسے بتا چکا ہوں

نیاز = سر ہمیں سرور کے جذبے کی قدر ہے BUT RULES ARE RULES
(لیکن قانون قانون ہی ہوتا ہے)

سی او = THAT'S WHAT I HAVE BEEN TELLING HIM RULES ARE RULES.
(یہی میں انہیں بتا رہا ہوں کہ قانون قانون ہی ہوتا ہے)

(کیپٹن سرور کے چہرے سے عیاں ہے کہ وہ بہر صورت محاذ پر جانے کیلئے مُصر ہیں)

سی او = کیپٹن سرور وعدہ نہیں کرتا، مگر جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا۔
اب آپ جا سکتے ہیں۔

سرور = تھینک یو سر!

(سلیوٹ کر کے واپس پلٹتا ہے' باہر جاتا ہے۔ سی او کچھ دیر سوچتا ہے۔ پھر ٹیلیفون پر کہتا ہے)

سی او = جی ایچ کیو ملواؤ۔

----- CUT -----

سین نمبر 5
سرور موضع سنگوری میں

کیمرہ ہل کے BLADE پر ہے جو زمین کو کاٹتا ہوا جا رہا ہے۔ کیمرہ زوم آؤٹ ہوتا جاتا ہے۔ سرور ہل چلا رہا ہے۔ سنگوری کا خوبصورت منظر' بیک گراؤنڈ میں مری کا پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے۔ سرور کا چہرہ سامنے آتا ہے تو وہ بہت خوش نظر آتا ہے۔ مختلف خوبصورت شاٹس۔

(بلیڈ چارہ کاٹتے ہوئے' کیمرہ زوم آؤٹ ہوتا ہے۔ سرور ٹوکہ مشین پر چارہ کاٹ رہا ہے)

محمد بخش = واہ راجہ محمد سرور' ہم تو تمہیں افسر ہی سمجھتے تھے بس۔

سرور = ابھی جان ہے محمد بخشا' چھ کنال ہل چلایا ہے اور پانچ من پٹھے کاٹے ہیں۔

محمد بخش = ٹھیک کہتے ہو راجہ سرور' ابھی جان ہے۔ ہم تو بس رہ گئے۔ مشین میں پٹھے ڈالنے کے قابل ہی رہ گئے ہیں۔

دونوں ہنستے ہیں۔ محمد بخش مشین میں پٹھے ڈالتا ہے۔ سرور کاٹنے لگتا ہے۔ کیمرہ پھر مشین کے بلیڈ پر زوم ان ہوتا ہے۔

بزرگ = پتہ چلا تھا سرور پتر کہ تم آئے ہو۔ اچھا ہو گیا مل گئے۔

سرور = میں تو چاچا جی آپ کے کھیتوں کی طرف بھی گیا تھا۔ سنا بھئی محمد عزیز کیا حال ہے تمہارا۔

عزیز = بس بھرا۔ اب تو اپنے بھتیجے کو فوج میں بھرتی کرا دے

سرور = ماشاء اللہ اچھا گھبرو ہے۔ اچھا سپاہی بنے گا۔ اچھا چاچا جی گھر آؤں گا وقت نکال کر۔

بزرگ = اچھا پتر

سرور دونوں سے گلے مل کر آگے بڑھتا ہے

سرور مکان کے اندر داخل ہوتا ہے۔

سرور = ہاں بھئی مستری محمد حسین تم نے کیا بنایا۔

مستری = سارا حساب کتاب کر لیا ہے راجہ صاحب۔ میں تو کہتا تھا کہ کام ادھورا نہ چھوڑیں۔ شروع کر لیا ہے تو مکان مکمل کر لیں' پیسوں کا کیا ہے آتے رہیں گے آپ نے کہیں چلے جانا ہے یا ہم نے آپ سے بھاگ جانا ہے۔

سرور = مستری محمد حسین دیکھ نا' تو نے پہلے ہی کیا لیا ہے؟ اب جتنا ختم ہو گیا ہے۔ اس کا حساب بے باق کر لیتے ہیں زندگی رہی تو باقی کام بھی ختم کر لیں گے۔ یہ لو تمہارا حساب کتاب بے باق اور یہ سو روپیہ انعام اور رسید کی ضرورت نہیں۔

(مستری پیسے لیکر بغلگیر ہوتا ہے)

سین نمبر 6

ایک کمرہ۔ لالٹین جل رہی ہے۔ ایک چارپائی پر محمد صفدر اور اسکی بہن سو رہی ہے۔ سرور کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے۔ سرور حساب کتاب کر رہا ہے۔ سرور کی بیوی سلام پھیر کر اٹھتی ہے۔

بیگم کرم جان بیوی ابھی تک کام کر رہے ہیں آپ! بس کریں! آرام کریں۔

سرور = یہ کام بہت ضروری ہے بیگم۔

بیوی = ایسا بھی کیا؟ سارا دن باہر گزار دیا سنگی ساتھیوں کیساتھ۔

سرور = وہ بھی ضروری تھا' یہ بھی ضروری ہے۔

(کام کرتا رہتا ہے بیوی دیکھتی رہتی ہے)

سرور = بیگم کرم جان اللہ رسولؐ کا حکم ہے کہ کسی مشن پر بھی نکلو تو اپنے معاملات سنوار کر نکلو۔ سب سے ملنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ حساب کتاب دینا لینا بھی ضروری ہے میں نے اس کاپی میں حساب کتاب لین دین مکمل کر دیا ہے۔

بیوی = اتنے سارے کام کاج آج ہی کرنے ہیں آپ کو؟

سرور = دو دن کی چھٹی ہے نہ کرم جان۔

بیوی = اتنے دنوں کے بعد آپ آئے ہیں۔ دو روز کی چھٹی؟

سرور = بڑی مشکل سے ملی ہے بیگم۔ میری پلٹن محاذ پر بیٹھی ہے۔ بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے۔ پلٹن JOIN کرنے کی۔

بیوی = محاذ پر جا رہے ہیں آپ؟ (اداس ہو کے پوچھتی ہے)

سرور = تو یہ کوئی اداس ہونے کی بات ہے۔ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔ کرم جان خدا صفدر بیٹے اور گلزار بیٹی اور تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے اور تم ہمیشہ اس مکان میں رہنا۔ وعدہ ہے نا

بیوی = وعدہ

سرور = بچوں کی تعلیم سے غافل نہ ہونا۔ تعلیم کیلئے بچوں کو جدا کرنا پڑے تو ممتا کو راستے میں نہ لانا۔ وعدہ؟

بیوی = وعدہ

سرور = اب میں سکون کے ساتھ محاذ پر جا سکتا ہوں۔ صبح جلدی جگا دینا صفدر کو لیکر مسجد میں جاؤں گا۔

----- CUT TO -----

سین نمبر 7

صبح کی سفیدی ظاہر ہو رہی ہے۔ ایک مسجد' جماعت کے ساتھ سرور اور صفدر نماز ادا کر رہے ہیں۔ سلام پھیر کر دعا مانگتے ہیں۔ جماعت اٹھتی ہے۔

سرور = خداحافظ مولوی صاحب' آج میں واپس جا رہا ہوں۔ محاذ پر

مولوی = خداحافظ و ناصر بیٹا۔ میں ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ ہمارا سرور ہمیشہ سرخرو ہو' یا خدا ہمارا کپتان بازی جیت کر لوٹے' یا باری تعالیٰ ہمارا سرور بخت آور ہو' غازی بن کر آئے۔

سرور = مولوی صاحب شہید کا رتبہ تو غازی سے بھی بڑا ہوتا ہے۔

مولوی = بیشک تمہارا کہنا ٹھیک ہے بیٹا۔

سرور = تو دعا کیجئے کہ غازی نہ بنوں تو شہید ہو جاؤں۔

مولوی = جو اللہ کو منظور بیٹا۔ خیر سے جاؤ' دشمن پر فتح پاؤ۔

(دونوں ہاتھ ملاتے ہیں اور خاموشی سے جدا ہو جاتے ہیں۔ سرور اب صفدر کے ساتھ کھیتوں میں جا رہا ہے۔ سورج طلوع ہو رہا ہے)

صفدر = آپ کہاں جا رہے ہیں بابا؟

سرور = وہ پہاڑ دیکھے ہیں بیٹا صفدر۔ بس وہیں جا رہا ہوں۔

صفدر = وہاں کیوں جا رہے ہیں بابا۔؟

سرور = وہاں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بیٹا' تمہارے جیسے دشمن انہیں پریشان کرتے ہیں نا۔

صفدر = تو وہ بچے اپنے گھر کیوں نہیں جاتے۔ اپنے بابا کے پاس۔

سرور = دشمن نے ان کے گھر بھی جلا دیئے ہیں نا۔ اور کئی کے بابا تو مر بھی گئے ہیں دشمن کے ہاتھوں۔

صفدر = بابا جو کوئی بھی ان کو تنگ کرتا ہے نا اسے خوب ماریں' خوب ماریں۔

سرور = خوب ماروں گا بیٹا۔

(ہنسنے لگتا ہے۔ بچہ بھی ہنسنے لگتا ہے۔ ہنسی ECHO میں بدل جاتی ہے۔ کیمرہ پہاڑوں پر PAN ہوتا ہے اور ہنسی کی آواز گونجتی ہے)

سین نمبر 8

TRANSIT CAMP

فوجی کیمپ' چند ٹرک کھڑے ہیں ان میں سویلین ٹرک بھی ہیں اور فوجی بھی' فوجی ٹکڑیوں میں

کندھوں پر پٹھو باندھے رائفلیں پکڑے موجود ہیں اور کچھ قبائلی اپنے سامان اور ہتھیاروں کے ساتھ کھڑے اور بیٹھے ہیں' کچھ لوگ مگوں میں چائے پی رہے ہیں' سگریٹ پی رہے ہیں۔ اتنے میں وسل سنائی دیتی ہے۔ سب چائے اور سگریٹ پھینک دیتے ہیں۔ چودھری خان کاشن دیتا ہے۔ اپنا اپنا سامان سنبھال کر FORMATION بنالیتے ہیں۔ جمعدار چودھری خان اور سپاہی فرمان علی بھی موجود ہیں۔ کیپٹن سرور آتا ہے تو سپاہی اسے سیلوٹ کرتا ہے۔ جمعدار چودھری خان ملتا ہے۔ سرور دفتر میں جاتا ہے اور ایک کیپٹن سے ملتا ہے۔

سرور = CAPT: SARWAR FROM SECOND FIRST PUNJAB REPORTS TO PROCEED TO CHAKOTH FRONT.
(سیکنڈ فسٹ پنجاب کا کیپٹن سرور محاذ پر جانے کے لئے حاضر ہے)

کیپٹن = WELL CAPT: SARWAR تشریف لائیں سر میں آپ کا ہی منتظر تھا۔ آپ کے ساتھ جانے والوں میں دو ٹرک ہیں۔ ایک فوجی اور سویلین ہے۔ آپ کے ساتھ جانے والی فورس بھی موجود ہے۔ آیئے سر۔

(دونوں باہر نکلتے ہیں۔ جمعدار چودھری خان آکر سیلوٹ کرتا ہے)

سرور = چودھری خان جوانوں کو بٹھادو۔

(چودھری خان سیلوٹ کر کے جاتا ہے اور جوانوں کو سوار کراتا ہے۔ (کاشن وغیرہ)

کیپٹن = سر آپ ابھی مارچ آف کریں تاکہ دوپہر تک پہنچ جائیں۔

سرور = درست ہے۔ شکریہ کیپٹن

کیپٹن = GOOD LUCK SIR (گڈ لک سر)

سرور = THANK YOU (تھینک یو)

سرور اگلے فوجی ٹرک پر بیٹھ جاتا ہے۔ سارے فوجی اسی ٹرک میں بیٹھتے ہیں۔ لشکری سویلین ٹرک میں سوار ہوجاتے ہیں۔ دونوں ٹرک یکے بعد دیگرے روانہ ہورہے ہیں۔

----- CUT TO -----

سین نمبر 9

(دونوں ٹرک مری کے راستے پر جارہے ہیں۔ کچھ لوگ انہیں دیکھ کر نعرہ تکبیر لگاتے ہیں ٹرکوں میں سے فوجی اور لشکری اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہیں اگلے ٹرک میں کیپٹن سرور بیٹھا ہے جبکہ پچھلے ٹرک کی فرنٹ سیٹ پر جمعدار چودھری خان بیٹھا ہے' سپاہیوں میں فرمان علی موجود ہے)

----- DISOLVE -----

(یہی قافلہ پہاڑوں میں مری سے آگے پہنچ چکا ہے اور دریائے جہلم کے کنارے آزاد کشمیر میں سے گزر رہا ہے ٹرک کے اندر ڈرائیور چودھری خان سے گفتگو کرتا ہے)

ڈرائیور = جمعدار صاحب سنا ہے دشمن نے بڑے ظلم کئے ہیں، نہتے کشمیریوں پر

چودھری خان = مظلوم کا رکھوالا خدا ہوتا ہے محمد خان اور میں جو جارہا ہوں نا محاذ پر تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خاص کام کے لئے چنا ہے کہ میں ایسے ظالم دشمن کا مقابلہ کروں۔

(یہاں پر سرور کی تصویر آجاتی ہے)

کوئی کسی کے گھر میں گھس کر قبضہ نہیں کر سکتا۔ ایسا صرف اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس گھر کے ہمسائے بے جان ہوں یا بے غیرت مگر ہم میں غیرت باقی ہے محمد خان۔

---- DI SOLVE ----

سپاہی = چپ کیوں ہو فرمان علی

فرمان = چپ تو میں اوپر سے ہوں علی محمد اندر میرے بڑا شور ہے۔

سپاہی = سمجھ نہیں آئی تیری بات۔

فرمان = سمجھ تو مجھے بھی نہیں آرہی اور ایک ملک کو تو دوسرے کی آزادی ہی سمجھ نہیں آرہی۔ وہ کشمیریوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے غلام رہو۔ ہم تمہاری عورتوں کو کنیزیں اور تم کو اپنے غلام بنا کر رکھیں گے۔ ایسی بات کو کوئی سمجھ سکتا ہے کیا۔ تم سمجھ سکتے ہو علی محمد؟

(وقفہ)

فرمان = تو ایسے لوگوں کی ٹھکرنی چاہئے ناں چاہے جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ نہیں؟

ہاں۔ اتنی تو سمجھ آتی ہے فرمان علی۔

(قافلہ آزاد کشمیر کے کسی اور علاقے میں سے گزر رہا ہے۔ کبھی کبھی دور سے توپوں کی گھن گرج سنائی دیتی ہے)

--- CUT TO ---

سین نمبر 10

(قافلہ جارہا ہے۔ نیچے دریا بہہ رہا ہے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں فوجی یا لشکری مورچوں میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اب یہ قافلہ کوہالہ برج پر پہنچتا ہے کہ ہوائی حملہ ہو جاتا ہے۔ ٹرک سڑک کے ایک طرف روک دیئے جاتے ہیں۔ سرور بھاگ بھاگ کر سبھی فوجیوں کو باہر نکل کر لیٹ جانے کو کہتا ہے۔ ایک طرف سے ایک بوڑھا کیپٹن آتا ہے اور سرور کو دھکیل کر ایک خندق میں گراتا ہے۔ عین اسی وقت جہاز

گولیاں چلاتا ہوا گزر جاتا ہے۔ فوجی اور لشکری خندقوں میں سے جہاز پر گولیاں چلاتے ہیں۔ جہاز چند بم گراتا ہے اور نکل جاتا ہے)

کیپٹن = WELCOME TO KOHALA (کوہالہ آمد پر خوش آمدید)

سرور = کیا شاندار WELCOME (ویلکم) ہے سر

کیپٹن = یہ روزمرہ کا کام ہے کیپٹن سرور۔

سرور = پھر تو نہیں آئے گا۔

کیپٹن = ایک آدھ چکر اور لگائے گا۔ یہ لیجئے

(جہاز پھر DIVE کرتا ہے اور پھر گولیاں برساتا ہوا نکل جاتا ہے۔ گولے پھینکتا ہے جو کہ کوئی بھی نشانے پر نہیں لگتا۔ فوجی اور لشکری بھی گولیاں چلاتے ہیں)

کیپٹن = یہ ہمیشہ دو دو کی ٹولیوں میں آتے ہیں۔ پہلا گولیاں برساتا ہوا نکل جاتا ہے تاکہ لوگ چھپ جائیں یا خندوقوں میں گھس جائیں اور جوابی فائر نہ کر سکیں اور دوسرا بم گراتا ہے۔

(جہاز پھر آتا ہے)

سرور = مقصد کیا ہے؟

کیپٹن = کوہالہ برج کی تباہی۔ یہ پل ٹوٹ جائے تو ہمارے لئے جنگ جاری رکھنا ناممکن ہو جائے۔ فوج کی آمدورفت اور رسد رک جائے۔

(جہاز بم گراتا ہے' کوئی بھی نشانے پر نہیں لگتا۔ چلا جاتا ہے)

سرور = آپ کا اندازہ صحیح نکلا۔

کیپٹن = اندازہ کیا' یہ تو روز کا معمول ہے۔ ہم تو عادی ہو چکے ہیں۔ یہ پھر آیا۔

(جہاز آتا ہے' بم گراتا ہے اور نکل جاتا ہے کوئی بم برج پر نہیں لگتا۔ پانی میں گرتے ہیں)

کیپٹن = چھٹی کر گئے

سرور = کبھی کوئی بم برج کے اوپر نہیں گرا

کیپٹن = ایک بار ایک بم پل کے عین درمیان گرا تھا۔ وہ پل میں چھید کر کے نیچے گر گیا۔

(سیٹی کی آواز آتی ہے لوگ خندقوں میں سے نکل آتے ہیں)

سرور = ہمیں روانگی کے لئے کلیرنس کب ملے گا۔

کیپٹن = آپ کی کلیرنس کا بندوبست قدرت نے کر دیا ہے۔ وہ دیکھیں بادل پہاڑوں سے اتر کر وادی میں پھیل رہے ہیں اب آپ ہوائی حملے کے خطرے کے بغیر کوچ کر سکتے ہیں۔

سرور = آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ

کیپٹن = یہ ہمارا اعزاز ہے کیپٹن......

YOU SEE I HAVE GONE OLD AND I ALWAYS TELL THIS
TO EVERY YOUNGER OFFICER WHO CROSSES THIS BRIDGE YOU MUST HAVE CROSSED MANY BRIDGES BUT WHEN YOU CROSS THIS ONE ALWAYS REMEMBER.

(دیکھیں ناں۔ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں۔ لیکن ہر نوجوان آفیسر جو آتا ہے
تو میں اسے بتاتا ہوں کہ آپ نے بہت سے پل عبور کیئے ہوں گے۔ لیکن
جب تم اس پل کو عبور کرو تو یاد رکھنا)

کہ جس وادی میں تم داخل ہو رہے ہو اس میں جہاں قدم قدم پر مظلوموں کا خون بکھرا ہے وہاں ہر پتھر پر بہادری کی داستانیں بھی رقم ہیں۔ سرور تم جوان ہو' لڑ سکتے ہو۔ میں بوڑھا نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ چلتا خوش قسمت ہیں وہ جو ادھر جاتے ہیں مگر واپس کبھی نہیں آتے۔ میں تو دن میں کئی بار آتا جاتا ہوں۔

WELL! YOU A-RE WELL RESTED. BETTER MARCH OFF.

(ویل! تم خاصا آرام کر چکے ہو۔ اب روانہ ہو جاؤ)

(بوڑھا کیپٹن سرور کو سیلوٹ کرتا ہے۔ سرور جواب دیتا ہے اور فریم سے نکل جاتا ہے)

(کوہالہ برج پر سے دونوں ٹرک گزر رہے ہیں دونوں طرف فوجی اور لشکری سنگل فائل میں روانہ ہوتے ہیں سب سے آگے کیپٹن سرور ہے)

---- CUT TO ----

سین نمبر 11

(سڑک کے کنارے چند کچے مکانات اور ایک دو دکانیں ہیں سامنے ایک خراب حالت کا بورڈ لگا ہے جس پر " بٹیاں بازار " لکھا ہوا ہے۔ کیمرہ ساری وادی دریا اور پہاڑوں پر سے PAN کرتا ہوا اس بورڈ پر آتا ہے۔ لونگ شارٹ میں بٹیاں بازار دکھایا جاتا ہے۔ اب کیمرے فریم میں سرور اور اسکے فوجی اور لشکری داخل ہوتے ہیں۔ ٹرک بھی ساتھ آ رہے ہیں)

---- CUT TO ----

(گولیوں کی آوازیں آ رہی ہیں)

کرنل آدم خان :- جمشید PLEASE CHECK پتہ کرو۔ کتنی REINFORCEMENT (کمک) پہنچ رہی ہے۔

I HAVE TO KNOW ---- IMMEDIATELY ---- CAN'T WAIT ANYLONGER

(مجھے یہ اطلاعات فوری چاہئیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا)

---- CUT TO ----

(کہیں دور گولیوں اور دھماکوں کی آواز...... سڑک پر سرور اور اس کے فوجی اور ٹرک چکوٹھی کی طرف بڑھ رہے

ہیں ایک بورڈ نظر آتا ہے جس پر چکوٹھی لکھا ہوا ہے۔

(گولیوں کے چلنے کی آوازیں)

جمشید = IMPOSSIBLE, IMPOSSIBLE NOW. CAN WE CONTAIN A REGULAR ARMY WITH SUCH A SMALL FORCE. SIR! SIR.

(ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ ہم اتنی تھوڑی نفری سے اتنی بڑی ریگولر فوج کو کیسے روک سکتے ہیں سر!)

بالکل بالکل سر سی او صاحب کے پاس ہماری REQUIRMENTS ہے..... ہاں

ہاں ..... میں نے نوٹ کر لیا ہے۔ جی ہاں ..... بتائیے ....

HOW MANY? OH MY GOD! OK SIR, OK SIR.

(کتنے ہیں سر! اوہ میرے خدایا۔ ٹھیک ہے سر)

(بے حد پریشانی کے عالم میں ٹیلیفون بینگ کرتا ہے)

---- CUT TO ----

سین نمبر 12

(سرور اور اسکی فورس رجمنٹ کے ہیڈ کوارٹر پہنچتی ہے۔ سبھی لوگ باہر رک جاتے ہیں)

سرور = HALT - AT EASE

(سرور وہاں سے چل کر ایک بنکر میں داخل ہوتا ہے کیپٹن جمشید پریشانی کے عالم میں کھڑا ہے)

سرور = CAPT SARWAR REPORTING FOR DUTY SIR. (کیپٹن سرور۔ ڈیوٹی پر حاضری رپورٹ کرتا ہے سر!)

جمشید = WELCOME CAPT: SARWAR, WELL COME BACK. (آؤ۔ آؤ۔ خوش آمدید۔ آؤ)

سرور = SIR I HAVE BROUGHT **REIN FORCEMENT** OF 15 JAWANS AND 20 LASHKARIS SIR.

(سر! میں اپنے ساتھ کمک کے دس جوان اور بیس لشکری لایا ہوں)

جمشید = I KNOW, I KNOW (مجھے پتہ ہے)

سرور = آپ کیا جانتے ہیں سر!

جمشید = OH, FORGET IT. (اوہ۔ چھوڑو اسے)

بڑی دیر سے انتظار ہو رہا ہے آپ کا۔ کوہالہ برج سے آپ کی روانگی کی رپورٹ مل گئی تھی۔ سی او صاحب کئی بار پوچھ چکے ہیں۔

سرور = میں اتنا IMPORTANT (اہم) ہوں سر

جمشید = اس وقت تم اتنے اہم IMPORTANT نہیں ہو جتنی کہ یہ REINFORCEMENT (کمک

ہے۔ REINFORCEMENT کمک کا ایک ایک آدمی ہمارے لئے IMPORTANT

اہم ہے اور تم کیا لے کر آئے ہو؟ 15 ریگولر اور 20 لشکری۔ ٹھہرو۔ میں ذرا سی او کو بتادوں۔

(میگنیٹو ٹیلیفون گھما کر بتاتا ہے)

جمشید = سر کیپٹن سرور آگئے ہیں۔ یس سر یس سر رائٹ سر

جمشید = چلئے کیپٹن۔

(مدہم دھماکوں اور گولیوں کی آواز)

(دونوں باہر نکلتے ہیں کچی گلی میں سے گزر کر جھاڑیوں میں سے گھوم کر درختوں کے نیچے آ جاتے ہیں اور پھر ایک کچے کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

---- CUT IN TO ----

سین نمبر 13

(کرنل آدم خان کا دفتر..... دو بڑے نقشے دیوار پر لگے ہیں۔ MAGNETO TELEPHONE پڑا ہے۔ سادہ میز اور ایک کرسی کرنل کے لئے۔ چار سٹول سامنے پڑے ہیں۔ ایک دیوار کے ساتھ فیلڈ بڈ پڑی ہے۔ میز کے اوپر بھی ایک نقشہ پھیلا ہوا ہے جسے کرنل بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ جمشید اور اس کے پیچھے سرور داخل ہوتے ہیں، سرور سلیوٹ کرتا ہے)

جمشید = سر کیپٹن سرور REINFORCEMENT کے ساتھ آئے ہیں۔

کرنل = WELCOME BACK TO YOUR REGIMENT ———— کورس کیسا رہا؟

سرور = ٹھیک رہا سر۔

کرنل = OK, WHAT HAVE YOU BROUGHT FOR US (اچھا تم ہمارے لئے کیا لائے ہو)

سرور = 15 جوان اور 20 لشکری سر

(کرنل سن کر بہت نا امید ہوتا ہے۔ لمحہ بھر خاموشی رہتی ہے)

جمشید = سرور کے آنے سے ایک قابل اعتماد آفیسر کا اضافہ ہو گیا ہے۔

کرنل = نہیں جمشید........... نہیں ہوا۔ سرور آیا ہے اور تم جا رہے ہو۔ میری پوزیشن وہی ہے جو پہلے تھی۔

جمشید = (میں سمجھا نہیں سر!) I DO NOT UNDERSTAND SIR

کرنل = بریگیڈیئر اکبر خان نے پانڈو پر حملہ کے لئے تمہاری خدمات مانگی ہیں۔

جمشید = مجھے کب جانا ہے سر؟

کرنل = میں سرور کی آمد کا منتظر تھا۔ جمشید تم کل ہی چلے جاؤ گے۔

جمشید = واپسی کب ہو گی سر؟

کرنل = جب بریگیڈیئر اکبر خاں کا OBJECTIVE (ہدف) حاصل ہو جائے گا تب۔

جمشید = (بہت اچھا سر) VERY WELL SIR

کرنل = PEACE LOCATION (امن کے علاقے) میں رہ کر SOFT (تن آسان) تو نہیں ہو گئے سرور۔

سرور = نو سر

کرنل = اس بات کی خوشی ہوئی کہ تم نے PEACE LOCATION چھوڑ کر ہمارے ساتھ لڑنا پسند کیا۔

سرور = سر! آپ کی کمان میں لڑنا میرے لئے اعزاز ہے۔

کرنل = کمیونی کیشن ٹھیک کرنے میں کتنے دن لگ جائیں گے۔

سرور = ایک ہفتہ سر۔

کرنل = I WILL GIVE YOU FOUR DAYS CAN YOU DO IT? (میں تمہیں چار دن دونگا، کر سکتے ہو؟)۔

سرور = YES SIR

کرنل = شاید ہمیں جلد ایکشن میں جانا پڑے۔

سرور = I WILL DO MY BEST SIR (میں پوری کوشش کروں گا۔ سر)

کرنل = گڈ! اب دیکھنا ہے کہ ہمیں تمہاری سگنل ٹریننگ سے کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔

سرور = آپ کو شکایت نہیں ہو گی سر۔

کرنل = ANYTHING FROM YOU SARWAR (تمہاری جانب سے کوئی بات سرور)

سرور = میری ایک درخواست تھی سر۔

کرنل = مجھے معلوم ہے ANYTHING ELSE (اس کے علاوہ)

سرور = نو سر!

کرنل = رائٹ۔ کیپٹن جمشید تمہیں BATTLE POSITION (جنگی صورت حال) اور اپنی پوزیشن کے بارے میں بریفنگ دیں گے۔ YOU MAY GO NOW (اب تم جا سکتے ہو۔)

(سرور سلیوٹ کرتا ہے اور پلٹ کر باہر نکل جاتا ہے۔ کرنل نقشے کو دیکھنے لگتا ہے۔ ایک پن اٹھا کر پوائنٹ 9108 پر لگا دیتا ہے)

----- CUT TO -----

سین نمبر14

(OBSERVATIONPOST ______________ پوسٹ پر ذوالفقار دوربین لگائے دشمن کی پوزیشن دیکھ رہا ہے۔ جمعدار چودھری خان ساتھ کھڑا ہے)

ذوالفقار = دشمن کا یہ سپاہی ہر وقت کھڑا رہتا ہے یہاں۔

چودھری = انتظار میں ہے سر

ذوالفقار = (ذوالفقار ہوا میں ہاتھ چلا کر کچھ دبانے کی کوشش کر رہا ہے)

چودھری = کیا کر رہے ہیں سر۔

ذوالفقار = اس کا انتظار ختم کر رہا ہوں گلا دبا رہا ہوں اس کا۔

چودھری = بہت دور ہے سر۔

ذوالفقار = یہی تو مصیبت ہے چودھری خان۔

چودھری = قریب آ جائیگا سر۔ نہیں آئے گا تو ہم اس کے قریب چلیں گے۔

ذوالفقار = چودھری خاں تم نے ایکشن دیکھا ہے۔

چودھری = بہت ایکشن دیکھا ہے سر۔ پر مزہ اس ایکشن میں آئے گا' پہلے تو انگریز کیلئے جان ہاتھ پر رکھ کر ملکوں ملکوں گھومتے رہے سر پر مزہ اب آئے گا جان دینے کا۔

ذوالفقار = چودھری خاں میں نے کبھی جنگ نہیں دیکھی اس لئے مجھے اس کا بڑا انتظار ہے۔

چودھری = انتظار ختم ہو جائیگا سر ۔ جلدی ختم ہو جائے گا۔

(ذوالفقار پھر دوربین لگا کر ہوا میں مکے چلانے لگتا ہے توپ کے ہر گولے کی آواز پر وہ بھی ایک مکا ہوا میں چلا دیتا ہے)

---- CUT TO ----

سین نمبر15

(TRENCHES (خندقوں) میں فرمان علی دوسرے سپاہیوں کے ساتھ بیٹھا ہے۔ علی محمد آتا ہے)

علی محمد = پھر خاموش ہو فرمان علی۔
(فرمان علی مسکراتا ہے)

علی = خاموشی اور مسکراہٹ

فرمان = اور کیا ہوسکتا ہے علی محمد، دشمن ہمارے پاس آ جائے تو خاموشی ٹوٹے یا ہم اس کے پاس چلے جائیں تو خاموشی ٹوٹے۔

علی = ہر وقت دشمن کے بارے میں سوچتے رہتے ہو بس؟ یہ خط ہے تمہارا۔

فرمان = سپاہی کا کام کیا ہے علی محمد، بیوی کا خط ہے (پڑھتا ہے)

علی = کیا لکھا ہے

فرمان = ہماری بھینس نے بچہ دیا ہے۔ آجکل 12 سیر دودھ دے رہی ہے۔ بھینس اور بچہ خیریت سے ہیں۔ آگے پڑھ رہا ہوں۔
(فرمان علی پڑھتا ہے اور مسکراتا ہے)

---- CUT TO ----

سین نمبر 16

(چاروں طرف گولے پھٹ رہے ہیں۔ جمشید اور سرور بھاگتے ہوئے لیٹتے ہوئے، بچتے بچاتے بنکر کی طرف جا رہے ہیں) (INTERIOR BUNKER) بنکر میں کیمپ ٹیبل اور تین کرسیاں پڑی ہیں۔ ٹیبل پر بتی جل رہی ہے۔ دیواروں کے ساتھ آمنے سامنے دو فیلڈ بیڈ پڑے ہیں۔ میجر شبیر کاغذات دیکھ رہا ہے۔ دیوار پر نقشہ بھی ہے۔ ذوالفقار بنکر کے سوراخ کا پردہ اٹھا کر باہر دیکھ رہا ہے اور ہر گولہ پھٹنے پر وہ بھی "دھائیں" "دھائیں" کی آواز منہ سے نکالتا ہے۔ میجر شبیر گولوں کی پرواہ کئے بغیر کام میں مصروف ہے۔ ایک گولہ قریب گرتا ہے چھت سے مٹی گرتی ہے۔ ذوالفقار کی بمباری سن کر اسکی طرف دیکھتا ہے)

میجر شبیر = کیا ہو رہا ہے صاحبزادے

ذوالفقار = دشمن کی گولہ باری کا کچھ تو جواب ہونا چاہئے ناسر

میجر = ہاہاہا...... اچھا تو آپ مقابلے میں مصروف ہیں۔

ذوالفقار = سر جب ہمارے پاس توپیں نہ ہوں تو اور کیا کریں۔ ویسے آج ان کی آرٹلری بڑی ACTIVE (تیز) ہو رہی ہے سر

میجر شبیر = SOFTENING UP ACTION (ہمارا کچومر نکالنا چاہتے ہیں) ______ ہے بھئی۔

ذوالفقار = سر اس کا مطلب ہے کہ

میجر = بھئی ہو سکتا ہے کہ دشمن کسی نئے OFFENSIVE (حملے) کی تیاری کر رہا ہے

ذوالفقار = یا اپنی طاقت کا مظاہرہ

میجر = یہ بھی ہو سکتا ہے۔

ذوالفقار = کاش ہمارے پاس بھی ARTILLERY SUPPORT (توپ خانے کی مدد) ہوتی تو پھر ان کو صحیح جواب دیتے۔

میجر = ہمارے پاس تو حملے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے

(ایک گولہ کہیں قریب پھٹتا ہے سرور اور جمشید بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہیں)

سرور = REPORTING FOR DUTY SIR (سرور! ڈیوٹی پر حاضر ہے سر)

میجر شبیر = ہیلو سرور! ویلکم ٹو یونٹ

سرور = آپ کیسے ہیں سر!

شبیر = فسٹ کلاس۔

ذوالفقار = HELLO SIR

سرور = ہیلو ذوالفقار، کیسے ہو بھئی

ذوالفقار = ٹھیک ہوں سر۔

شبیر = ابھی ابھی دشمن کے ساتھ مقابلے میں مصروف تھے۔ آیئے کیپٹن جمشید کب جا رہے ہیں پانڈو سیکٹر۔

جمشید = سر آپ کو معلوم ہے۔

شبیر = بھئی ملٹری کراس و نر جمشید کی ڈیمانڈ نہیں ہوگی تو کس کی ہوگی۔ بھئی سرور کب پہنچے آپ؟

سرور = سر ابھی تھوڑی دیر پہلے

جمشید = مجھے کل پانڈو سیکٹر روانہ ہونا ہے سر سوچا آپ سے مل بھی لوں اور چائے بھی ہو جائے۔

(گولوں کی آواز)

سرور = کیا روز اسی طرح ہوتا ہے۔

ذوالفقار = THIS سر۔ یہ تو باجا بج رہا ہے۔ YOU ARE RIGHT (آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں) ہوتا تو یہ روز ہی ہے مگر آج آپ کی آمد پر کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے۔ RECEPTION (استقبالیہ) ہے شاید۔

(سب ہنستے ہیں، گولہ گرتا ہے چھت سے مٹی گرتی ہے۔ سبھی اوپر دیکھتے ہیں اور ہنس دیتے

ہیں)

سرور = WHAT A RECE PTION? (کیا استقبالیہ ہے)

جمشید = جب سے وادی میں داخل ہوئے ہو ہماری خاطر تواضع ہو رہی ہے۔ I THINK THEY LOVE YOU (میرے خیال میں انہیں آپ سے پیار ہے)

سرور = YOU ARE RIGHT SIR, THEY LOVE ME VERY MUCH (سر! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ مجھ سے بڑا پیار کرتے ہیں AND I LOVE THEM VERY MUCH اور میں ان سے بڑا پیار کرتا ہوں)

شبیر = ذوالفقار بھئی چائے منگواؤ۔ ہم نے بھی تو ان کو RECE PTION دینا ہے۔

ذوالفقار = خاص کر سر جب کیپٹن سرور آئے ہوں اور کیپٹن جمشید جا رہے ہوں۔ پر سر خالی چائے نہیں اس کے ساتھ بسکٹ بھی ہونے چاہئیں۔

شبیر = SURE, SURE (یقیناً یقیناً) بلکہ میرا ایک کیک بھی پڑا ہے۔ ORDERLY (آرڈرلی) کے پاس۔ وہ بھی منگواؤ

ذوالفقار = VERY WELL SIR (بہت اچھا سر!)

شبیر = اور کیا خبر ہے جمشید۔ سرور صاحب بس آئے ہی ہیں کہ کچھ لائے بھی ہیں۔

جمشید = خبر یہ ہے کہ کیپٹن سرور اپنے ساتھ 15 جوان اور 20 لشکری لے کر آئے ہیں۔

شبیر = میرے خیال میں آج سبھی مذاق کے موڈ میں ہیں۔

جمشید = ان سے پوچھ لیں سر۔

سرور = یہ ٹھیک کہتے ہیں سر۔ یہاں کی کیا خبر ہے سر۔

شبیر = سرور دشمن نے SUMMER OFFENSIVE (موسم گرما کا حملہ) بڑے زور شور سے شروع کیا اور جتنا علاقہ لے سکتا تھا لے لیا۔ ادھر پانڈو پہاڑی تک پہنچ گیا اور ادھر ہمارے سامنے آ بیٹھا۔ ہم نے دشمن کو یہاں روک دیا ہے۔ اب ہمارا OFFENSIVE (حملہ) شروع ہو گا۔ دشمن پانڈو کی بلندی پر بیٹھ کر ساری وادی کو نشانہ بنا سکتا ہے اور ہماری فوج کا راستہ روک سکتا ہے۔ اسے وہاں سے DISLODGE (ہٹانا) کرنا ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں جمشید کل جا رہے ہیں ادھر ہمیں سامنے کی اونچی پہاڑیاں واپس لینی ہیں۔ تل پترا کی پہاڑی یہاں کا خاص فیچر ہے۔

(ذوالفقار ORDERLY کے ساتھ چائے کے مگ اور دو پلیٹوں میں کیک اور بسکٹ لے کر آتے ہیں)

ذوالفقار = چائے سر! آپ لیں سر، سر

(جبکہ بات چیت شروع رہتی ہے ذوالفقار چائے اور کیک پیش کرتا ہے)

سرور = کیپٹن جمشید آپ کا کیا خیال ہے۔

جمشید = میجر شبیر نے درست کہا ہے کہ ہمیں پانڈو واپس لینا ہے اور میں بہت خوش ہوں کہ میں وہاں جا رہا ہوں۔

سرور = اور سر میں بہت خوش ہوں کہ مجھے یہاں بھیجا گیا ہے سگنل کا کام میری ڈیوٹی ہے مگر میں خود لڑنا چاہتا ہوں۔ میجر شبیر سر۔

شبیر = جتنی کم فورس ہمارے پاس ہے انشاءاللہ سب ہی کو لڑنے کا موقع ملے گا آپ واقعی 15 جوان اور 20 لشکری لے کر آئے ہیں۔

سرور = جی ہاں سر

(سبھی خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اس وقت ایک گولہ پھٹتا ہے چھت سے مٹی گرتی ہے)

ذوالفقار = THAT IS A GOOD NIGHT SHOT (یہ گولہ شب بخیر کا ہے)

سرور = کیا مطلب۔

ذوالفقار = سر یہ گڈ نائٹ فائر تھا۔ آج کا آخری شاٹ۔ اب رات بھر خاموشی رہے گی۔ اب یہ خود بھی آرام کریں گے اور ہمیں بھی آرام کرنے دیں گے۔

جمشید = اچھا سر مجھے بہت صبح روانہ ہونا ہے۔ اس لئے چلوں۔ سرور آپ کے لئے فیلڈ بیڈ بھجوا دیتا ہوں۔ خدا حافظ

سرور = خدا حافظ جمشید

ذوالفقار = GOOD LUCK SIR (گڈ لک سر!)

جمشید = THANK YOU (تھینک یو)

شبیر = WISH YOU WELL JAMSHED (خیر سے جاؤ جمشید)

جمشید = THANK YOU SIR (تھینک یو' سر!)

(جمشید سلیوٹ کرتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے تینوں کے ردعمل)

---- CUT TO ----

سین نمبر 17

(کیپٹن سرور جنگل میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے ٹیلیفون لائن (REEL) ریل سے بچھا رہا

ہے اس کا ساتھی ریل لے کر آگے آگے چلتا ہے۔ سرور تاروں کو سنبھال کر ادھر ادھر ڈالتا جاتا ہے۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں)

سرور = (ٹیلیفون پر) ہیلو چارلی، ہیلو چارلی، ہیلو چارلی کبوتر چیکنگ، کبوتر چیکنگ۔ لیس لیس میری آواز صاف آرہی ہے؟ گڈ. YES I CAN HEAR (ہاں میں سن سکتا ہوں۔) اوکے۔ راجہ اینڈ آؤٹ (اب YOU CLEAR AND FIRE

دوسری لائن پر) ہیلو چارلی ہیلو چارلی ہیلو چارلی کبوتر ہیر CAN YOU HEAR ME.

OK - OK.

فرمان علی = سر سر۔

سرور = HOLD ON CHARLIE - HOLD ON CHARLIE (ہولڈ آن چارلی۔ ہولڈ آن چارلی)

______ کیا بات ہے فرمان علی

سپاہی فرمان = سر (ایک طرف اشارہ کرتا ہے) کچھ موومنٹ ہے اس طرف

سرور = POSITION لے لو۔ دشمن کا علاقہ قریب ہے گولی نہیں چلانا۔

(دوربین نکال کر دیکھتا ہے۔ ایک سپاہی کو دائیں اور دوسرے کو بائیں جانے کو کہتا ہے)

سپاہی = میری رینج میں ہیں سر۔ فائر اوپن کروں

سرور = نہیں ابھی نزدیک آنے دو

سپاہی = ادھر ہی آرہے ہیں سر۔

سرور = اشارہ نہ دوں تو فائر مت کرنا۔

(خاموشی، ردِعمل، چند کشمیری زبوں حال سامنے آتے ہیں۔ سب نے ہاتھ اٹھار کھے ہیں۔ عورتیں، مرد اور بچے)

سرور ..... ہولڈ فائر۔ کور کرو۔

(تین طرف سے جوان بندوقیں اٹھائے انہیں کور کرتے ہیں، کشمیری مہاجران کے درمیان آجاتے ہیں)

بوڑھا = ہم مسلمان ہیں دشمن نے ہمارا گھر بار جلا دیا ہے۔ ہمارے بہت سے ساتھی مارے گئے ہیں۔

سرور = کیوں گھروں سے کیوں نکالا ہے تمہیں؟ علاقہ خالی کرالیا ہے وہ مورچے بنا رہے ہیں

---- CUT TO ----

سین نمبر18

(فوجیوں کے درمیان میجر شبیر' ذوالفقار اور سرور)

میجر شبیر = کیا ثبوت ہے تمہارے پاس۔

(بوڑھا کپڑا اٹھا کر زخم دکھاتا ہے۔ ایک جوان آدمی زخمی جسم)

بابا = کتنے ہی لوگ مارے گئے اس بچے کا بڑا بھائی مارا گیا۔

میجر شبیر = تمہارا گاؤں کس پہاڑی پر ہے بابا۔

بابا = تل پترا پہاڑی کی دوسری طرف تھا میرا گھر

میجر = وہ لوگ کہاں تک قبضہ کر چکے ہیں بابا۔

بابا = پہاڑی کی چوٹی تک وہ ہمیں علاقے سے نکالنے کے لئے آئے تھے۔ آگے نہیں آئے۔ آپس میں بات کر رہے تھے کہ ادھر پاکستانی ہیں۔

سرور = باباجی ان کے چوٹی پر مورچے دیکھے آپ نے۔

بابا = نہیں جی چوٹی پر تو کچھ نہیں دیکھا۔

سرور = باباجی FIELD MINES (بارودی سرنگ) سمجھتے ہو

بابا = سمجھتا ہوں جی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان کو ادھر سے جانے دو خود ہی مرجائیں گے۔ وہاں ضرور MINES (بارودی سرنگ) ہیں جی۔

(سرور اور میجر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

میجر = تو آپ کیسے زندہ نکل کر بچ آئے بابا۔

بابا = اسی علاقے کے رہنے والے ہیں جی چپے چپے سے واقف ہیں ہم لوگ۔ یہاں تو ایسے راستے بھی ہیں جہاں ہم اور ہماری بکریاں ہی چڑھ اور اتر سکتی ہیں ہم نے راستہ بدل دیا جی۔ نالے میں سے ہو کر آئے ہیں

سرور = مجھے راستے دکھاؤ گے سارے

بچہ = میں دکھاؤں گا جی آپ کو راستے۔

سرور = اچھا تمہیں ان لوگوں سے ڈر نہیں لگتا۔

بچہ = نہیں سر مجھے ان سے ڈر نہیں لگتا۔

انہوں نے میرے بھائی کو مارا ہے۔ میں ان کو ماروں گا۔

سرور = تمہارا نام کیا ہے بیٹا۔

بچہ = سر!

(سرور کا چہرہ OUT FOCUS ہو جاتا ہے پہاڑیوں میں ایک آواز گونج رہی ہے۔ "صفدر" "صفدر" کیمرہ پہاڑیوں پر PAN کرتا ہے۔ صفدر صفدر کی گونج ECHO میں آتی ہے۔ کیمرہ گھومتا رہتا ہے۔ سرور کا چہرہ FOCUS ہو جاتا ہے)

سرور = صفدر

بچہ = نہیں سر صفدر۔سرور کا رد عمل

سرور = اوہ

---- CUT TO ----

سین نمبر 19

(کرنل آدم خاں کا دفتر۔ میجر شبیر۔ کیپٹن سرور لیفٹیننٹ ذوالفقار علی کھڑے ہیں۔ کرنل آدم خاں بریفنگ دے رہا ہے ایک جانب بڑا نقشہ لگا ہوا ہے)

کرنل = ویل جنٹلمین! یہ تھی ہماری اور دشمن کی پوزیشن۔ اس کے پیش نظر مجھے بریگیڈ 101 کا آپریشن آرڈر مل گیا ہے فورس کمانڈر نے ہمیں نیا ٹاسک دیا ہے۔
OPERATION PLANNING (جنگی پلان) میں ہمارا رول اور ٹاسک مقرر کر دیا گیا ہے۔ ہمارا ٹاسک تل پترا RIDGE (چوٹی) اور پوائنٹ 9108 پر قبضہ کرنا ہے تاکہ ہم دشمن کی LINE OF COMMUNICATION (لائن آف کمیونیکیشن) پر پہنچ کر اسے پیر کنٹھی سے کاٹ دیں۔ جنٹلمین! پانڈو RIDGE (چوٹی) پر دشمن کی پوزیشن بہت مضبوط ہے اور اس کی متواتر اور OBJECTIVE گولہ باری کی وجہ سے پورے اوڑی سیکٹر کی پوزیشن شدید خطرے میں ہے۔ ہم بھی دشمن کی ڈائریکٹ فائر میں ہیں۔ اس لئے ہیڈ کوارٹر 101 بریگیڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ پانڈو پر فیصلہ کن حملہ کر کے اسے دشمن سے واپس لے لیا جائے۔ دراصل تل پترا اور 9108 پر حملہ۔ پانڈو پر بڑے حملے کی ایک کڑی ہے۔ خطرہ اس بات کا ہے کہ دشمن ہمارے چکوٹھی سیکٹر سے فوجی اٹھا کر پانڈو سیکٹر میں ____ REINFORCEMENT (کمک) کے لئے نہ لے جا سکے اور نہ ہی باغ کی طرف بڑھ سکے اور اس طرح دونوں سیکٹروں میں CONTAIN ہو جائے۔ کوئی شک۔

میجر شبیر = حملے کی پلاننگ کیا ہے سر

آدم خاں = ذوالفقار (سوالیہ انداز میں)

ذوالفقار = حملہ کب ہو گا سر؟

آدم خاں = مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا ہے کہ ہمارا حملہ ایک بڑے حملے کی سکیم کا حصہ ہے۔

آدم خاں = سرور

سرور = میں اس لمحے کا بے صبری سے منتظر رہا ہوں سر۔ میرے انتظامات مکمل ہیں، تل پترا پہاڑ کے دامن میں نالے تک میری COMMUNICATION LINES LAY ________ ہو گئی ہیں سر۔

آدم = ANYTHING ELSE (اور کچھ)

سرور = میں اپنی REQUEST (درخواست) یاد دلانا چاہتا ہوں سر۔

آدم = سرور! ہم سب سولجر ہیں اور سبھی مل کر ایک OBJECTIVE (ہدف) کے لئے لڑ رہے ہیں۔ مقصد ایک ہی ہے گو کہ کام مختلف ہیں۔"

سرور = YES SIR (یس سر)

آدم = ہمیں تل پترا پہاڑ اور 9108 پر دشمن کی صحیح پوزیشن اور طاقت کا علم نہیں ہے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہاں کتنی نفری ہے ان کے پاس آرٹلری کی سپورٹ ہے یا نہیں۔ اسلحہ کیا ہے۔ بنکر موجود ہیں یا نہیں اور یہ کہ ان کی FORTIFICATION (دفاعی مورچے) کیا ہیں۔ اس کے لئے ہمیں اس علاقے میں پٹرولز بھیجنے ہوں گے یہ کام کل سے ہی شروع ہو جانا چاہئے۔

---- CUT TO ----

سین نمبر 20

تل پترا

(کچھ سپاہی رجن کی کمانڈ چودھری خان کر رہا ہے اور فرمان علی بھی اس کے ساتھ ہے رپہاڑ کے دامن میں پیٹرول کر رہے ہیں یہ لوگ چھپ کر دوربین سے دشمن کی پوزیشن کا اندازہ لگا رہے ہیں کہ ایک جہاز آ جاتا ہے اور پھر چلا جاتا ہے۔ یہ لوگ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ پائلٹ نے انہیں دیکھ لیا ہے۔ جہاز دوبارہ آتا ہے اور ان پر گولیاں برساتا ہے۔ یہ واقعہ کوبرہ یا کوپرہ کے مقام پر ہوتا ہے۔

---- CUT TO ----

سین نمبر 21

آدم خان کا دفتر

آدم خان، شبیر حسین، محمد سرور، ذوالفقار علی موجود ہیں۔

شبیر حسین = سرہمارے پیٹرولز تل پتڑا میں ACTIVE رہے۔ ان کو دشمن کا سامنانہ ہوا اور وہ آزادی سے RECCE کرتے رہے، کسی بات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ دشمن کی پوزیشن مضبوط ہے۔

ذوالفقار = دوسری پیٹرول نے یہ کہا کہ انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن اس جگہ کو فوجی اہمیت نہیں دیتا نہ تو دشمن کی FORTIFICATION ہی نظر آئیں اور نہ کوئی MOVEMENT نہ کوئی گولی چلی۔

سرور = مگر جہاز تو آیا اور اس نے کوبرہ میں بی کمپنی پر ROCKETING بھی کی اور STRAFFING (گولی بھی چلائی) بھی۔

آدم خان = ظاہر ہے کہ دشمن موجود ہے۔ کوئی دخل اندازی کرے تو جہاز بھی آجاتا ہے کیوں کہ وہ اپنی پوزیشن اور طاقت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ میں یہ نہیں مانتا کہ دشمن کے لئے یہ علاقہ فوجی اہمیت نہیں رکھتا GENTLEMEN! I DON'T KNOW THE INTENTION OF THE ENEMY BUT I KNOW THIS, THAT WE HAVE TO CAPTURE THIS OBJECITVE (مجھے دشمن کے ارادوں کا پتہ نہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ ہم نے یہ ہدف حاصل کرنا ہے)

ہمارے پاس فورس بہت کم ہے۔ اس لئے یہ علاقہ طاقت سے نہیں بلکہ PLANING (منصوبہ بندی) سے حاصل کرنا ہوگا۔ ہمیں حملے سے پہلے دشمن کی پوزیشن کو بہت اچھی طرح سمجھنا ہوگا۔

---- CUT TO ----

سین نمبر 22

MONTAGE

آدم خان میجر شبیر اور ذوالفقار کے ساتھ OBSERVATION POST پر سے دشمن کی پوزیشن دیکھ رہا ہے۔

شبیر: سر 6.0 کلاک پر دیکھیں۔ سر اب 9.0 کلاک پر بھی دیکھیں۔ یہاں پر ______ FOX HOLE ______ نظر آتے ہیں۔ یہ غالباً دشمن کے بنکر ہیں مگر یقین سے نہیں کہا جا

سکتا۔ سرور اپنی تاریں چیک کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ نالے کے پار تل پتڑا کو دور بین سے دیکھ رہا ہے۔

آدم خان دشمن کی پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

آدم خان جوانوں کی ٹرنچوں میں جاتا ہے جوان سلیوٹ کرتے ہیں

آدم = مورال کیسا ہے جوان۔

فرمان علی = ایک دم فسٹ کلاس سر۔

آدم خان = ویری گڈ۔

(چودھری خان آتا ہے)

چودھری = کیپٹن جمشید صاحب بنگا ٹک سے آ گئے ہیں۔

آدم خان = ویری گڈ.......... کہاں ہیں۔

چودھری = ادھر ہی آ رہے ہیں سر۔

آدم خان = ہیلو جمشید WELCOME BACK (ویلکم بیک)

(جمشید سلیوٹ کرتا ہے۔ ہاتھ ملاتا ہے)

جمشید = THANK YOU SIR (تھینک یو سر!) ہیلو سر۔ ہیلو سرور

ذوالفقار۔ سر آپ کیسے ہیں؟

آدم خان = ٹھیک ہوں۔ آجکل 2/1ST پنجاب بڑی مصروف ہے۔ ہم اپنے ایکشن کی پلاننگ کر رہے ہیں جمشید۔ ہم تو آپ کی EXPLOITS سنتے رہتے ہیں۔ بڑے معرکے مارے ہیں آپ نے!

جمشید = چھوٹے چھوٹے ایکشن تھے سب دشمن کو نروس کرنے کے لئے SOFTENING UP ACTION SIR

سین نمبر 23

آدمؑ خان کا دفتر

آدم خان: جمشید تم نے بھی RECCE PATROLS بھیجے ہیں بلکہ تل پتڑا پوزیشن خالی دیکھ کر اے کمپنی نے 16 جولائی کو تل پتڑا پر قبضہ بھی کر لیا۔ دشمن کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ سیکنڈ ایف ایف آر کی ایک کمپنی نے ہماری A کمپنی کو RELIEVE

کرناتھامگر یہ کمپنی دھند کی وجہ سے راستہ بھول گئی اور نہ پہنچ سکی۔ 17 جولائی کو0500 آورز پر شیلنگ شروع ہوگئی۔ دشمن نے حملہ کر دیا0900 آورز تک کمپنی اپنی جگہ پر جمی رہی۔ مجبوراً A... کمپنی کو RETREAT کرنا پڑا REGROUPING کیلئے ساری فورس کو اپنی پلاٹونوں میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ اب تم نے اور تمہاری سی کمپنی نے ریشیان گلی سے آکر ہمیں REJOIN کر لیا ہے۔ پوزیشن بہتر ہوگئی ہے۔

شبیر = سر میرے خیال میں ہمیں FIGHTING PATROLS بھیجنے چاہیں۔

ذوالفقار = I AGREE WITH YOU SIR

سرور = سر میں بھی FIGHTING PATROLS کے ساتھ جانا چاہتا ہوں تاکہ علاقے سے اچھی طرح واقف ہو جاؤں۔

آدم خان = SURE, SURE. تمہیں ضرور جانا چاہئے بلکہ میں تم سے کچھ اور کام بھی لینا چاہتا ہوں I MEAN IN ADDITION TO YOUR OWN DUTY AS SIGNAL OFFICER (میرا مطلب ہے سگنل آفیسر کے علاوہ بھی)

سرور = THANK YOU SIR.

آدم خان = شبیر! تم 19 جولائی کو FIGHTING PATROLE پر جاؤ۔ تمہارے ساتھ کیپٹن سرور اور لیفٹیننٹ ذوالفقار بھی جائیں گے۔ تم 21 جولائی کو واپس رپورٹ کرو پھر تم اور جمشید 22 جولائی کو ایک اور FINAL FIGHTING PATROLE ______ ______ لے کر جاؤ اور 24 جولائی کو رپورٹ دو۔ اسی روز ہم اپنا ______ FINAL ACTION PLAN تیار کریں گے۔ دونوں پیٹرولز کا مقصد دشمن کو ہراساں کرنا ہے۔ اس پر FIRE کرواسے TEASE کرو تاکہ وہ بھی ایکشن میں آئے اور اس طرح اس کی ARMS DEPLOYMENT اور MACHINE GUN NESTS کا پتہ چلے اس کی FORTIFICATIONS کا پتہ چلے اس PATROL کو ASSEMBLY PLACE حملے کے وقت اور راستے اختیار کرنے کا فیصلہ بھی کرنا ہوگا۔

---- CUT TO ----

سین نمبر24

FIGHTING PATROL

میجر شبیر، کیپٹن سرور اور لیفٹیننٹ ذوالفقار کے ساتھ پانچ سپاہی ہیں۔ جمعدار چودھری خان بھی ہے

اور فرمان علی بھی' انہوں نے ہاتھ منہ پر کالا رنگ لگا کر کیموفلاج کیا ہوا ہے۔ اپنے ہتھیار اٹھائے وہ ایک دوسرے کے پیچھے آہستہ آہستہ احتیاط کے ساتھ قدم بڑھا رہے ہیں۔ رات کا وقت ہے مگر اتنی روشنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے اور درختوں پتھروں کے ہیولے دیکھ سکتے ہیں۔ بات چیت بالکل نہیں کرتے۔ صرف اشاروں سے کام لیتے ہیں۔ پتھر لڑھکنے کی آواز۔ شبیر ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرتا ہے سب FREEZE ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اشارے پر سب پوزیشن لے لیتے ہیں۔ چند لمحے اسی طرح رہتے ہیں۔ پھر کسی جانور کے بھاگنے کی آواز آتی ہے۔ ہلکی ہلکی ہوا کی آواز آ رہی ہے۔ شبیر اشارہ کرتا ہے پیچھے والا اشارہ دہراتا ہے۔ اسی طرح سبھی اشارہ دیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

دور کہیں ہلکی سی کھانسنے کی آواز آتی ہے۔ شبیر اشارہ کرتا ہے سبھی FREEZE ہو جاتے ہیں۔ شبیر سنتا ہے' سبھی سن رہے ہیں۔ لوگوں کے چلنے پھرنے کی۔ اوزار کھڑکنے کی اور زمین کھودنے کی آوازیں آتی ہیں۔ شبیر پھر اشارہ دیتا ہے۔ وہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دائیں بائیں پھیل جاتے ہیں۔ زمین پر لیٹ کر پوزیشن لے لیتے ہیں' پھر خاموشی سے آوازوں کی سن گن لیتے ہیں۔ میجر شبیر نقشہ نکال کر اس پر کچھ نشانات لگاتا ہے ________________ شبیر اور سرور آگے بڑھتے ہیں' اور آگے بڑھتے ہیں' اور آگے بڑھتے ہیں۔ ذوالفقار بھی ان کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ ذوالفقار کا پاؤں TRAP WIRE میں پھنس جاتا ہے۔ ذوالفقار وہیں رک جاتا ہے' چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ ناکام رہتا ہے (WHISPER) آہستہ سے کہتا ہے۔

ذوالفقار = سر! سر!

شبیر اور سرور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں سمجھ جاتے ہیں۔ تیزی مگر خاموشی کے ساتھ واپس آتے ہیں۔ سرور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھتا ہے۔

سرور = ہلنا مت۔ سر TRAP WIRE ہے۔

سرور اور شبیر اسے چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ بھی ناکام رہتے ہیں۔ ذوالفقار کا چہرہ پسینے سے تر ہے۔ اب شبیر اور سرور بھی پسینے سے شرابور ہیں۔ کامیاب نہیں ہوتے۔

سرور = WIRE (خاردار تار) اتنی TIGHT ہے کہ اگر ذرا بھی کھینچا تو EXPLODE MINE (بارودی سرنگ پھٹ جائے گی) ہو جائے گی۔

شبیر = خطرہ یہ ہے کہ MINE (بارودی سرنگ) کہیں قریب نہ ہو۔

(اتنے میں آوازیں کچھ قریب سے آنے لگتی ہیں سپاہی چوکس ہوتے ہیں)

سرور = ذوالفقار۔ تم اپنے ہاتھ سے تاریں کھولنے کی کوشش کرو۔

ایسا کرتے ہوئے اس کا BALANCE (توازن) خراب ہوتا ہے اور وہ گر پڑتا ہے' ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر دھماکہ ہوتا ہے۔ روشنی کا گولہ ہوا میں اچھل کر پھٹ جاتا ہے۔

ان کی پوزیشن کا دشمن کو پتہ چل جاتا ہے۔ دشمن FIRE (فائر) کھول دیتا ہے۔
شبیر سرور اور ساتھی زمین پر لیٹ جاتے ہیں۔

شبیر = سروران کی ATTENTION DIVERT (توجہ ہٹاؤ) کرو۔

سرور ایک گرنیڈ کی پن نکال کر دوسری طرف پھینکتا ہے، جہاں گرنیڈ پھٹتا دشمن کا رخ ادھر موڑ دیتا ہے دشمن روشنی کے گولے بھی پھینکتا رہتا ہے۔ FIRING سرور، شبیر اور ان کے ساتھی اور نیچے اترتے ہیں اور پھر ایک جگہ دبک کر دشمن کی پوزیشن نوٹ کرنے لگتے ہیں۔ گولوں کی روشنی میں وہ اچھی طرح دشمن کی پوزیشن اور FIRE POWER کا اندازہ لگاتے ہیں۔ سرور اور شبیر سب گن پوزیشنوں کا اچھی طرح اندازہ لگا کر ساتھیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کرتے ہیں اور وہ الٹے پاؤں کھسک کھسک کر پہاڑی سے نیچے اترنے لگتے ہیں۔

ذوالفقار = SIR. I AM SORRY.

شبیر = NEVER MIND, IT WAS AN ACCIDENT (کوئی بات نہیں۔ وہ ایک حادثہ تھا)

سرور = تم نے تو بلکہ وہ کام کر دیا جو بالآخر ہمیں کرنا ہی تھا۔ سر FNEMY POSITIONS (دشمن کی پوزیشن) کافی CLEAR (صاف) نظر آئیں۔
سبھی پہاڑی سے واپس اتر رہے ہیں۔

---- CUT TO ----

سین نمبر 25

کرنل آدم خان کا بنکر

آدم خان، شبیر حسین، سرور جمشید اور ذوالفقار موجود ہیں۔

شبیر = سر 9108 سے ذرا ہٹ کر دشمن کے بنکر ہیں۔ دو بنکروں میں MMG NESTS ہیں۔ دشمن نے حملے میں 303 رائفلیں، سٹین گن MMG اور مارٹر استعمال کئے۔ اس کے علاوہ 2" اور 3" مارٹر بھی استعمال ہوئے FORTIFICATIONS ______ اور دیگر دفاعی انتظامات نظر نہیں آئے۔

آدم خان = BARBED WIRE (خاردار تاریں)۔

شبیر = نہیں تھی۔ دونوں پیٹرولز کی یہی رپورٹ ہے سر۔

آدم خان = نفری کتنی ہوگی۔

جمشید = سر فائر سے معلوم پڑتا تھا کہ ایک بٹالین فوج ہوگی۔

آدم خان = جمشید ہماری STRENGTH (تعداد) کتنی ہے؟

جمشید = سر الفا کمپنی مکمل ہے اور بی کمپنی بھی مکمل ہے 15 جوان اور 20 لشکری سرور کے ساتھ آئے ہیں۔

آدم خان = شبیر!

شبیر = THAT IS ALL SIR (بس یہی سر!) دشمن اونچائی پر ہے۔ اس فورس سے حملہ ممکن نہیں سر۔

آدم خان = حملے کے لئے ہمیں تیار رہنا ہے۔ ہر وقت تیار رہنا ہے' ہر قیمت پر تیار رہنا ہے میں نے سوچا ہے کہ ہمیں ایک ریزرو کمپنی تیار کرنی چاہئے۔

شبیر = اسے کمانڈ کون کرے گا سر؟

آدم خان = کیپٹن سرور!

جمشید = کیپٹن سرور!؟

شبیر = سر سگنل جاب.........

آدم خان = میں کیپٹن سرور کو خوب سمجھتا ہوں شبیر۔ یہ تل پترا میں دشمن کی سرحد تک سگنل لائن بچھا چکا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ REGROUPING نہ کر سکے۔ کوئی شک۔

شبیر = NO SIR

آدم = RIGHT ہمارے FIGHTING PATROLS کی رپورٹس سے ظاہر ہے کہ دشمن 9108 سے پیچھے ہٹ گیا ہے۔ یہ خبر دو روز پرانی ہے اس دوران دشمن نے کوئی اور ڈیفنس لائن اختیار کی ہے تو ہمیں اس کا علم نہیں لہٰذا ہمیں دشمن کی جانب سے کسی بھی غیر متوقع صورتحال کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ہماری پلان بریگیڈ 101 نے پاس کر دی ہے۔ حملہ 26 اور 27 جولائی کی درمیانی رات کو ہو گا۔ 0330 زیرو آور ______ (ZERO HOUR) ہو گا۔ ہم لاسٹ لائٹ (LAST LIGHT) کے ساتھ مارچ آف کریں گے سب کمپنی کمانڈر اپنی اپنی کمپنیوں کو رائٹ ٹائم پر پوزیشن میں لے آئیں گے مکمل خاموشی اور احتیاط کے ساتھ FORMING-UP POSITION ______ تک پہنچنا ہو گا۔ سرور ایکشن سے پہلے کوئی وائرلیس کمیونی کیشن نہیں ہوگی۔

سرور = سر

آدم خان = اگر کمیونی کیشن فیل ہوئیں تو یادرکھو تمہیں اٹھا کر جہلم RIVER (دریا) میں پھینک دوں گا۔

سرور = ایسی صورت میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا خود کود جاؤں گا سر!

آدم خان = THAT'S MORALE ________ اگر حملہ کامیاب نہ ہوا تو A کمپنی اور C کمپنی کے بعد کیپٹن سرور کی ریزرو کمپنی حملہ کرے گی RIGHT SARWAR? (ٹھیک ہے سرور)

سرور = VERY RIGHT SIR. (بالکل ٹھیک سر)

آدم خان = یاد رکھیں دشمن کے پاس زیادہ فوج زیادہ آرمز اور توپ خانہ بھی ہے جبکہ تمہارے پاس صرف ایک 3.7 کی توپ ہے بٹالین صرف مارٹر سپورٹ دے سکتی ہے۔ ہمارے ATTACK (حملے) کا سگنل گرین وائٹ گرین ہو گا۔ کامیابی کا سگنل وائٹ ریڈ وائٹ ہو گا۔ WITHDRAW کرنا پڑا تو گرین وائٹ ریڈ ہو گا' کوئی شک؟

شبیر = نو سر

آدم خاں = OK GENTLEMEN! GOOD LUCK TO YOU (او۔ کے۔ جنٹلمین۔ گڈلک ٹو یو)

(چاروں سے ہاتھ ملاتا ہے)

SYNCHRONISE YOUR WATCHES (گھڑیوں کا وقت ملالو)

(گھڑی کا کلوز اپ' وقت کیا ہو گا؟)

----- CUT TO -----

مطلع ابر آلود ہے یوں لگتا ہے جیسے ابھی ابھی بارش ختم ہوئی ہے۔ 0100 آورز کا وقت ہے۔ سپاہی اسلحہ لئے پہاڑی پر چڑھ رہے ہیں کچھ سپاہی AMMUNITION (ایمونیشن) اوپر پہنچا رہے ہیں۔ سرور ٹیلیفون چیک کر رہا ہے۔ کرنل آدم خاں بھی پہاڑی کے اوپر پہنچ چکا ہے۔ میجر شبیر اور لیفٹیننٹ ذوالفقار بھی موجود ہیں' سرور بھی آ جاتا ہے۔ سبھی بات چیت کر رہے ہیں' اب سبھی آفیسرز پہاڑی کے EDGE پر آکر دوربین سے نیچے دیکھتے ہیں وہ سامنے تل پترا پہاڑ اور 9108 کا بھی جائزہ لے رہے ہیں۔

سورج ڈوب رہا ہے اور اب اندھیرا چھا جاتا ہے۔

رات کے اندھیرے میں اے اور سی کمپنی اور سرور کی آزاد کمپنی پہاڑی سے اتر کر نالے کے شمالی کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔ اب سب کمپنیاں نالے کو پار کر کے پہاڑی پر اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اب سرور کے آدمی ریل اور تار ساتھ لے کر بڑھے ہیں تاکہ حملے کے وقت کمیونی کیشن قائم کی جا سکے گھڑی کا کلوز اپ 3.30 بج رہے ہیں۔ آدم خان گھڑی دیکھتا ہے۔ جمشید کو اشارہ کرتا

ہے کیپٹن جمشید MAGNETO ٹیلیفون گھماتا ہے۔

جمشید = ہیلو سر !

شبیر = یس جمشید

جمشید = سب ٹھیک ہے

شبیر = ہاں

جمشید = سب ٹھیک ہے سر

آدم خاں = GOOD LUCK (گڈ لک)

جمشید = GOOD LUCK SIR (گڈ لک سر)

سین نمبر 27

اندھیرا، جنگل، خاموشی، ہوا کی درختوں میں سائیں سائیں کرتی ہوئی آواز، اندھیرے میں خاموشی کے ساتھ شبیر آگے بڑھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ ذوالفقار اپنی کمپنی کو بڑھنے کا اشارہ کرتا ہے، دونوں کمپنیاں اپنے اپنے TARGET تل پتڑا اور 9108 کی طرف بڑھتی ہیں۔ سپاہی خاموشی کے ساتھ اپنے گائیڈ کے پیچھے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ چند قدم بڑھ کر لیٹ جاتے ہیں اور پوزیشن لے لیتے ہیں۔ سرور کے سپاہی ٹیلیفون لائن ساتھ لے جا رہے ہیں، آخر ایک مقام پر پہنچ کر سب آہستہ آہستہ پھیل کر پوزیشن لے لیتے ہیں۔ سرور اپنی آزاد کمپنی کے ساتھ ذرا نیچے رہ جاتا ہے کیونکہ وہ ریزرو میں ہے۔

ذوالفقار اور شبیر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں ادھر سرور اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پہاڑی پر آدم خاں اور جمشید بھی اسی SUSPENCE میں مبتلا ہیں وہ فون نقشے اور وائرلیس لئے بیٹھے ہیں۔

شبیر = (ٹیلیفون) سر ہم تل پتڑا اور 9108 کے BASE تک پہنچ گئے ہیں۔ شاید دشمن نے دیکھا نہیں۔

(یک دم دشمن کی طرف سے فائر کھل جاتا ہے۔)

کرنل = شاباش شبیر KEEP THE PRESSURE (دباؤ جاری رکھو)

جمشید = دشمن کا گن فائر سر

کرنل آدم یہ دم دشمن انتظار کر رہا تھا کہ RANGE (رینج) میں آ جائیں۔

شبیر بھی اپنی VERY LIGHT سگنل چلاتا ہے۔ گرین وہائٹ گرین۔
ادھر سے بھی گولیاں چلنا شروع ہوتی ہیں "نعرہ تکبیر اللہ اکبر" کے نعرے گونجتے ہیں مارٹر بھی چلنے لگتے ہیں۔
دشمن بار بار روشنی کے گولے چھوڑتا ہے اور بے تحاشا فائرنگ کر رہا ہے۔ مارٹر کے گولے بھی پھٹ رہے ہیں اور توپوں کے بھی' اس کے علاوہ MMG اور LMG کی آواز ہے۔
شبیر آگے بڑھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ سپاہی چند قدم بڑھتے ہیں اور پھر سے لیٹ جاتے ہیں۔
یہی حشر ذوالفقار کی کمپنی کا ہے۔
انڈین فائرنگ بہت زبردست ہے اور چڑھائی سیدھی ہے۔ اس لئے پیش قدمی مشکل ہے اور سست رفتار بھی۔ گولیاں درختوں میں لگ رہی ہیں' ٹہنیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی ہیں۔
توپ کے گولے ان کے آگے پیچھے گر رہے ہیں۔ مارٹر کے گولے سیدھے اوپر سے آ رہے ہیں۔ درخت ٹوٹتے ہیں، مٹی اڑتی ہے۔
شبیر دوربین سے دشمن کے بنکر کی طرف دیکھتا ہے۔ بنکر میں سے چلتی ہوئی گولیوں کے شعلے نظر آتے ہیں۔
جمشید ٹیلیفون گھماتا ہے۔
آدم خاں KEEP ON THE PRESSURE (دباؤ جاری رکھو) شبیر DON'T STOP

(رکنا مت)

شبیر = YES SIR. (یس سر)
شبیر پھر بڑھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ ذوالفقار بھی یہی اشارہ کرتا ہے۔ جوان نعرہ لگاتے ہیں اور پھر آگے بڑھنے لگتے ہیں' بڑھتے ہیں لیٹ جاتے ہیں۔ گولیاں چلاتے ہیں پھر بڑھتے ہیں۔
سرور نیچے پریشان ہے۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی کمپنی لے کر آگے بڑھنا چاہتا ہے مگر مجبور ہے۔ ٹیلیفون گھماتا ہے۔
سرور = سر میں ایڈوانس کروں
آدم خاں = نہیں سرور ابھی نہیں۔ میں بتاؤں گا۔
زبردست گولی چل رہی ہے' توپ اور مارٹر کے گولوں نے بالکل PIN DOWN کیا ہوا ہے۔
شبیر = ذوالفقار میں بڑھتا ہوں۔ تم مجھے COVER دو۔ شبیر اپنی کمپنی کو اشارہ کرتا ہے۔
سبھی دشمن کے ہیوی فائر کے باوجود بڑھنے لگتے ہیں۔ ذوالفقار اور اس کی کمپنی دشمن پر بے تحاشا فائر کرتے ہیں جبکہ شبیر کے ساتھی بڑھتے جاتے ہیں۔ اب شبیر زبردست فائرنگ کی

وجہ سے رک جاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو پوزیشن لینے کا اشارہ کرتا ہے۔ ٹیلیفون گھماتا ہے آدم خان نقشے پر نشان لگاتا جاتا ہے۔

(ٹیلیفون کی آواز)

آدم خاں = YES (یس)

شبیر = بہت ہیوی فائر ہے سر۔ میری کمپنی PIN DOWN (پن ڈاؤن) ہو گئی ہے۔ میں آگے MOVE نہیں کر سکتا۔

آدم خاں = ذوالفقار کو COVER دے کر ایڈوانس کراؤ۔

شبیر = YES SIR (یس سر)

شبیر ذوالفقار کو اشارہ کرتا ہے۔ شبیر کے سپاہی زبردست فائرنگ کر کے ذوالفقار کو COVER ـــــ دیتے ہیں۔

مارٹر اٹیک بھی کھولا جاتا ہے۔

ذوالفقار آگے بڑھتا ہے اور اس کے سپاہی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں پھر لیٹ کر پوزیشن لے لیتے ہیں، پھر بڑھتے ہیں۔ ذوالفقار کی کمپنی پر ہیوی فائرنگ اور شیلنگ ہوتی ہے۔ شبیر اپنی کمپنی کو آگے بڑھنے کا اشارہ دیتا ہے اور وہ خود بڑھنے لگتا ہے۔ ذوالفقار کی کمپنی PIN DOWN ہو چکی ہے اور آگے نہیں بڑھ رہی۔

سرور حملہ کرنے کیلئے پریشان ہے۔

آدم خاں = ہیلو ہیلو شبیر

جمشید = ہیلو۔ ہیلو ذوالفقار، ہیلو ذوالفقار

(کوئی جواب نہیں۔)

شبیر آگے بڑھ رہا ہے کہ حملہ ہوتا ہے۔ وہ درخت کے پیچھے سے آگے بڑھنے کے لئے اشارہ دیتا ہے کہ ہاتھ پر دو گولیاں لگتی ہیں۔ ٹیلیفون گھماتا ہے۔

شبیر = ہیلو ذوالفقار، ہیلو ذوالفقار (پھر گھماتا ہے) ہیلو سر۔

جمشید = میجر شبیر آن لائن سر۔

آدم = WHAT IS THE LATEST (تازہ خبر کیا ہے؟)

شبیر = NOT GOOD NEWS SIR (اچھی خبر نہیں سر) دشمن کا فائر بہت ہیوی ہے سر۔ میری کمپنی PIN DOWN ہو گئی ہے سر۔

آدم = WHAT ABOUT ZULFIQAR

شبیر = میرے ساتھ اس کا CONTACT (رابطہ) ٹوٹ گیا ہے سر۔
کیا آپ کے ساتھ ہے؟

آدم = نہیں۔

شبیر = میرے خیال میں سر I MEAN THE WORST HAS HAPPENED (بدقسمتی نے آلیا ہے)

آدم = ARE YOU SURE (تمہیں یقین ہے)

شبیر = I THINK SO SIR (میرا خیال ہے) یا شہید ہو گیا ہے یا زخمی سر۔ میں خود زخمی ہو گیا ہوں سر

سرور = ہیلو سر۔ ہیلو سر۔

جمشید = سرور آن لائن سر۔

آدم = YES (یس)

سرور = سر دونوں کمپنیاں PIN DOWN ہو چکی ہیں سر۔ میں ایڈوانس کر رہا ہوں سر۔

آدم = GO AHEAD SARWAR (ٹھیک ہے۔ آگے بڑھو سرور)

سرور اپنی کمپنی کو آگے بڑھنے کے لئے کہتا ہے۔ فوجی جوان ' آزاد اور لشکری نعرہ لگا کر بڑھنے لگتے ہیں۔ اب فائر ان پر آتا ہے۔ گولیوں اور دھماکوں کا شور ' سرور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کو FORWARD -- FORWARD (آگے بڑھو آگے بڑھو) کہتا ہوا خود سب سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ دھواں ' لپکتے ہوئے شعلے ' دشمن کے بنکروں سے زبردست، فائرنگ ہوتی ہے۔ چاروں طرف گولے پھٹ رہے ہیں۔ سرور لمحے بھر کو پوزیشن میں جاتا ہے۔

"نعرہ تکبیر اللہ اکبر" آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کئی لوگ مرتے ہیں ' کئی زخمی ہو کر گرتے ہیں مگر یہ فائر کئے جاتے ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں۔

سرور = چودھری خاں LEFT FLANK (میسرہ) سے ATTACK (حملہ) کرو۔

چودھری YES SIR چلو فرمان علی۔

خاں = سرور سب سے آگے ہے اور دشمن کی FIRING کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔

سرور = فرمان علی۔ میں آگے جا رہا ہوں ' مجھے COVER دو۔

چودھری خاں اور سرور چند ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں ' فرمان علی لمبے لمبے برسٹ مارتا ہے۔ دشمن کی فائرنگ فرمان علی کی طرف آتی ہے ایک برسٹ اسے لگتا ہے اور وہ شہید ہو جاتا ہے۔

چودھری = سر! فرمان شہید ہو گیا سر!

سرور اکیلا واپس پلٹتا ہے اور فرمان کے ہاتھ سے BREN گن لے لیتا ہے اور دشمن پر فائر کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ پوزیشن لیتا ہے' دیکھتا ہے سامنے ——— BARBED WIRE - CONCERTINA (خاردار تار) لگی ہے۔

(سرور ٹیلیفون گھماتا ہے۔)

جمشید = سرور آن لائن سر!

آدم = YES SARWAR (لیس سرور)

سرور = سر میں دشمن کے مورچوں سے صرف بیس گز کے فاصلے پر ہوں۔ فرمان علی شہید ہو چکا ہے۔

آدم = کیا پوزیشن ہے سرور!

سرور = سر! دشمن نے بنکر کے گرد CONCERTINA WIRE (خاردار تار) لگائی ہوئی ہے سر۔ اینٹی پرسنل مائنز بھی ہیں۔ (بارودی سرنگیں)

آدم = غیر ضروری RISK (رسک) نہیں لینا سرور۔

سرور = سر! فکر نہ کریں میں OBSTACLES کلیر کر لوں گا سٹر اور سٹر اب فون پر CONTACT نہیں رہے گا۔

سرور کے ساتھ چودھری خاں اور چند سپاہی ہیں۔ سرور آگے بڑھنے کا اشارہ کرتا ہے۔ گولیاں چلاتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ ایک گولی کندھے میں لگتی ہے۔ مشین گن ہاتھ سے اڑ کر دور گرتی ہے۔ گولی کے IMPACT سے پیچھے کی طرف گرتا ہے۔

چودھری خاں گولی چلا کر سرور کو COVER دیتا ہے۔ سرور پھر مشین گن اٹھالیتا ہے۔

چودھری خاں آگے کو بڑھتا ہے تو اسے پورا برسٹ پڑتا ہے اور وہ شہید ہو جاتا ہے۔

سرور جوش میں پاگل سا ہو جاتا ہے جہاں سے چودھری خاں کو گولی لگی تھی وہاں گرنیڈ مارتا ہے' وہاں کا GUN NEST تباہ ہو جاتا ہے اور گولی چلنا ختم ہو جاتی ہے۔ سرور ذرا اٹھتا ہے تو اس کی پنڈلی میں دوسری گولی لگتی ہے۔ سرور گر پڑتا ہے۔ لڑھکتا ہوا نیچے آجاتا ہے۔ اس کے ساتھی بڑھتے ہیں ان میں سے بھی ایک شہید ہو جاتا ہے۔

سرور چودھری خاں کی گن اٹھالیتا ہے اور چلاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔

سپاہی = سر آپ زخمی ہیں۔ آپ COVER لے لیں۔

سرور = ابھی تاریں کاٹنی ہیں جوان WIRE CUTTER دے دو۔

سپاہی = تاریں ہم کاٹ لیں گے سر۔

سرور = میرے ساتھ آؤ جوان۔ تم مجھے COVERING FIRE دو۔

سرور ایک بار پھر گولیاں برساتا ہوا اور گرنیڈ پھینکتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور تاروں تک پہنچ جاتا ہے مگر سامنے سے اتنا HEAVY فائر ہوتا ہے کہ سرور کو پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ پھر اشارہ کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ گولیاں چلاتا ہوا بڑھتا ہے اور تاروں تک جا پہنچتا ہے۔ وہ نیچے دبک کر تار کاٹنے لگتا ہے۔ اس کے چاروں طرف گولے پھٹ رہے ہیں اور مشین گن کا ہیوی فائر آرہا ہے۔ گرنیڈ بھی پھینکے جا رہے ہیں۔

اس دوران اس کے ساتھی اسے زیادہ سے زیادہ COVER دے رہے ہیں۔ مگر جیسے دشمن نے اسے دیکھ لیا ہو' وہ دشمن کی گولیوں سے بے نیاز تاریں کاٹتا چلا جاتا ہے۔

قریب سے حملہ ہوتا ہے۔ سرور گرنیڈ مارتا ہے وہ GUN NEST بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ سرور ساری تاریں کاٹ رہا ہے۔ وہ آخری تار کاٹتا ہے۔

اس کے ساتھی اسے COVER دے رہے ہیں۔ وہ انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کرتا ہے اور گرنیڈ پھینکتا ہے۔ اس کے ساتھی BAYONET فکس کرتے ہیں۔

سرور آگے بڑھنے کے لئے اٹھتا ہے۔ مشین گن کا ایک فائر ہوتا ہے۔ پورا برسٹ اس کے سینے میں لگتا ہے۔ سرور سلوموشن میں گھومتا ہوا گرنے لگتا ہے۔

سورج طلوع ہو رہا ہے۔

سورج کی روشنی سرور کے چہرے پر پڑتی ہے۔ کیمرہ اس کے چہرے سے ہٹ کر PAN کرتا ہے اور بہت سے شہیدوں کو دکھاتا ہے۔

پھر کیمرہ PAN ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جاتا ہے جن کے پیچھے سے سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اس منظر پر یہ الفاظ ابھرتے ہیں۔

"FEAT OF LEADERSHIP, COOL COURAGE, INITIATIVE, AND PERSONAL EXAMPLE OF GALANTRY SECOND TO NONE, WILL GO DOWN IN THE AWARDS OF THE REGIMENT AND THE PAKISTAN ARMY IN GOLDEN WORDS AND EVER BE REMEMBERD."

جرأتوں کے نشان۔ نشان حیدر پانے والے

کیپٹن راجہ محمد سرور شہید

کیپٹن سرور شہید پر مبنی ڈرامہ پڑھنے کے بعد قاری ان کی کارکردگی اور بے مثل جرأت کے ساتھ دشمن سے مقابلے کے بارے میں تو جان چکے ہوں گے۔ اس لئے انہیں دہرانا مناسب نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ اس معرکہ سے پہلے چند دنوں کی صورت حال کا تھوڑا سا تذکرہ ہو جائے تو وہ شاید قاری کے لئے باعث دلچسپی ہو کہ واقعات اور حالات کیونکر ادلتے بدلتے اپنے منطقی نتیجے کو پہنچتے ہیں۔ یہ یونٹ کی وار ڈائری کا اختصار ہے۔

9/ جولائی 1948ء ...... 102 بریگیڈ سے آپریشن آرڈرز موصول ہوئے اور 9108. پر اور تل پترا پر قبضہ کرنا ہے۔

10/ جولائی 1948ء کمانڈنگ افسر نے تمام کمپنی کمانڈروں کی میٹنگ کی اور دو فائٹنگ پٹرول بھیج کر دشمن کی پوزیشنوں کا پتہ لگانے کی کوشش کی۔ سارا دن بلا ہنگامہ گزرا۔ رات ساڑھے نو بجے ہوائی روشنیوں کے ذریعے مدد مانگی گئی۔ ان کی مختلف ہتھیاروں کے فائر سے دفاعی امداد کی گئی۔

11/ جولائی 1948ء ...... دشمن کے جہازوں نے فائر کیا اور راکٹ پھینکے۔ لیکن کوئی نقصان نہ ہوا۔

12/ جولائی 1948ء ...... دونوں فائٹنگ پٹرول دشمن کے بارے میں اطلاعات حاصل کر کے واپس لوٹیں۔

13/ جولائی 1948ء ...... دو مزید فائٹنگ پٹرول دشمن کے بارے میں مزید اطلاعات حاصل کرنے کو بھیجی گئیں۔

14/ جولائی 1948ء ...... سارا دن بلا کسی واقعے کے گزرا۔

15/ جولائی 1948ء ...... گشتی دستے مزید معلومات کے ساتھ لوٹے۔ سی او نے کانفرنس کی اور اپنی پلان اپنا ہدف حاصل کرنے کے بارے میں بتائی۔ رات میں کچھ فورس کو شاہ کنجا پر قبضے کے لئے بھیجا گیا۔

16/ جولائی 1948ء ...... کیپٹن جمشید ایم سی یونٹ واپس پہنچ گئے۔ تمام فورس سوائے بی کمپنی کے شاہ کنجا پر جمع ہو گئی۔ بی کمپنی کو ایک جانب سے مارٹر کی مدد دینے کے لئے رکھا گیا۔ اے کمپنی نے تل پترا پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ سیکنڈ ایف ایف آر کی کمپنی رات کے وقت

راستہ گم کر بیٹھی اور پوائنٹ 9108. تک نہیں پہنچ سکی۔ اس کے نتیجے میں اس فورس کو اگلے روز واپس لوٹنا پڑا۔

17/جولائی 1948ء...... صبح پانچ بجے تل پترا والی اے کمپنی پر شدید بمباری شروع ہو گئی اور اس پر جوابی حملہ ہو گیا۔ اے کمپنی صبح نو بجے تک اپنی پوزیشن پر ڈٹی رہی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ پوائنٹ 9108. پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا تو اسے لوٹنا پڑا۔ تمام کی تمام فورس اپنی اصلی پوزیشنوں پر لوٹ آئیں۔ اے کمپنی "شاہ کنجا" پر رہی اور سی کمپنی رشیاں گلی سے آ کر مل گئی۔

18/جولائی 1948ء...... کمانڈنگ آفیسر نے کانفرنس کی اور پچھلے روز کی کارروائی پر بحث کی۔

19/جولائی 1948ء...... دو فائٹنگ پٹرول کیپٹن سرور اور لیفٹیننٹ ایچ زیڈ علی کے ماتحت پوائنٹ 9108. اور تل پترا پر بھیجے گئے۔ میجر زیڈ ایم چودھری اور ایس ایچ خان ان گشتی دستوں کے ساتھ گئے تاکہ دشمن کے مورچوں تک جانے کے راستے اور اسمبلی ایریا کی پوزیشن کا پتہ کر سکیں اور حملے کے لئے علاقے کا ملاحظہ کر سکیں۔

20/جولائی 1948ء...... پوائنٹ 9108. کے گشتی دستے کو دشمن نے دیکھ لیا اور دشمن نے ان پر فائر کھول دیا۔

21/جولائی 1948ء...... میجر کے ایس ایچ خان اور لیفٹیننٹ ایم زیڈ علی گشتی دستے کے ساتھ واپس آ گئے۔

22/جولائی 1948ء...... کیپٹن محمد جمشید ملٹری کراس پوائنٹ 9108. تک ایک فائٹنگ پٹرول لے کر گئے۔ ان کے ساتھ میجر کے ایس ایچ خان گئے۔

23/جولائی 1948ء...... کیپٹن محمد سرور واپس آئے تو اپنے ساتھ بہت اہم معلومات لائے۔

24/جولائی 1948ء...... میجر کے ایس ایچ خان اور کیپٹن محمد جمشید ملٹری کراس بھی گشتی دستے کے ساتھ لوٹ آئے۔

25/جولائی 1948ء...... کمانڈنگ افسر نے کانفرنس بلائی اور اپنی پلان دی۔

دن ڈھلے بٹالین کو "شاہ کنجا" پر جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ یہ کام چار گھنٹے سے بھی کم میں مکمل کیا۔ اپنے تمامتر ہتھیاروں اور سامان کے ساتھ۔ جو کہ ایک نمایاں کارکردگی تھی۔ شام کے وقت بریگیڈ کمانڈر نے پوائنٹ 9108. پر حملے کی اجازت دے دی۔ اے بی اور سی کمپنی کو گلی ڈنہ کے مقام تک پہنچا دیا گیا۔ یہ کام رات کے وقت کیا گیا۔ کیونکہ شاہ کنجا اور گلی ڈنہ کے درمیان کا تمام علاقہ دشمن کی نگاہ میں تھا۔

26 / جولائی 1948ء...... بٹالین ہیڈ کوارٹر اور دو آزاد کمپنیاں دھند کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دن کے ڈھائی بجے ہی گلی ڈنہ پہنچ گئیں۔ حالانکہ دھند میں دیدبانی اور دکھلائی خاصی دشوار تھی۔ ڈھائی بجے گلی ڈنہ پر پہنچنے کے بعد سی او نے اپنے آخری اور حتمی احکامات صادر کئے۔ اس وقت بارش ہو رہی تھی اور سخت سردی تھی۔ کمپنیاں اپنے اپنے مقام حملہ تک شام ساڑھے سات بجے تک پہنچ گئیں۔ رات خاصی تاریک تھی۔ سی کمپنی نے 9108. پر رات نو بجے اور اے کمپنی نے تل پترا پر رات ایک بجے قبضہ جمالیا۔ گشتی دستے 26 / تاریخ کو یہ خبر لائے کہ دشمن نے پوائنٹ 9108. خالی کر دیا ہے مگر پوائنٹ 9108. کے شمال میں RING CONTOUR پر پوزیشن سنبھال لی ہے۔ رات کے دوران انہوں نے وہاں خاردار تاریں بچھا کر دو مشین گنیں نصب کر دیں۔ جن کا ہمیں علم نہ ہو سکا۔

27 / جولائی 1948ء...... Z (زیڈ) ہاور رات ساڑھے تین بجے کار کھا گیا۔ گنوں اور مارٹروں سے 10 منٹ فائر کرنے کے بعد بی کمپنی۔ آزاد فورس اور ڈیفنس پلاٹون نے کیپٹن محمد سرور کی کمان میں سی کمپنی کی ایک پلاٹون کی مدد سے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ صبح ساڑھے پانچ بجے ہمارے جوان خاردار باڑ تک پہنچ گئے۔ جہاں سے دشمن کے بنکر صرف دس سے پندرہ گز کے فاصلے پر تھے لیکن پچھلی شام کی اطلاعات کے مطابق وہاں خاردار تاریں نہیں تھیں اس لئے انہیں بہ آسانی عبور نہ کیا جاسکا۔ بٹالین ہیڈ کوارٹر سے اس دوران رابطہ بھی ٹوٹ گیا۔ صبح سویرے کی روشنی میں ہمارے جوان شدید بمباری، مشین گن اور آٹومیٹک فائر کی زد میں آگئے۔ یہ لڑائی صبح ساڑھے چھ بجے تک جاری رہی اور جب یہ دیکھا گیا۔ کہ ہمارا بہت سارا جانی نقصان ہو گیا ہے اور ہم خاردار باڑ کو ختم نہیں کر سکے تو فارورڈ کمپنیوں کو پوائنٹ 9108. پر ہٹالیا گیا اور اپنے زخمیوں کو ہر ممکنہ کوشش سے نکال لیا گیا۔

پوائنٹ 9108. تک ہٹتے وقت دشمن نے جوابی حملہ کیا جس کو میجر کے ایس ایچ خان اور لیفٹیننٹ ایم زیڈ علی نے بڑی بہادری سے پسپا کر دیا۔ یہ اپنے دستوں اور زخمیوں کو نکالنے میں مصروف تھے۔ اس حملے کے دوران مندرجہ ذیل نقصان ہوا۔

1۔ شہادت...... کیپٹن محمد سرور

جمعدار چودھری خان

اور انیس جوان

2۔ زخمی میجر کے ایس ایچ خان (کنور شبیر حسین خان) اور 28 جوان۔

(فوجی نقطہ نگاہ سے اس تعداد کو Heavy Casualties یعنی شدید نقصان گردانا جاتا

ہے۔ مصنف ؔ ہماری انٹیلیجنس کی رپورٹ کے مطابق دشمن کے **40** فوجی مارے گئے۔ لیکن بعد میں مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس جنگ میں دشمن کے **105** فوجی جوان مارے گئے تھے۔

یہ معرکہ پل پترا پر حملے، نقصان اور پسپائی کی روزمرہ کی روداد ہے۔ جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس حملے کا مقصد دشمن کے سپلائی کے راستے کو خطرے سے دوچار کرنا تھا۔ دوسرے یہ مقصد بھی تھا کہ معرکہ پانڈو (جو کہ ایک بہت اہم فوجی نوعیت کی چوٹی تھی جہاں سے دشمن نہ صرف مظفر آباد تک نظر رکھ سکتا تھا بلکہ چکوٹھی تک تمام علاقہ ان کے فائر کی زد میں آتا تھا۔) پر حملے کے وقت دشمن تل پترا سے فوجی کمک پانڈو کے محاذ کی جانب نہ منتقل کر سکے۔ اس حد تک ہماری فوج اپنے مشن میں کامیاب رہی۔ اگرچہ وہ اس پہاڑی پر قبضہ نہ کر سکی لیکن وہ اپنے جری مجاہد کیپٹن محمد سرور شہید کی جسم وروح کی اس محاذ پر قربانی پیش کر آئی۔ یوں سرور شہید کو اولین نشان حیدر پانے کا اعزاز حاصل ہوا۔

1۔ کیپٹن راجہ محمد سرور شہید۔ یہ اولین نشان حیدر پانے والے تھے۔ جنہیں 28ر جولائی 1948ء کو تل پترا کی اہم پہاڑی پر قبضے کی جنگ میں شہادت پانے کے بعد پس از مرگ آٹھ سال بعد دیا گیا۔ انہیں کس طرح بہادرانہ کارنامے پر ملا، یہ آپ ڈرامے اور پچھلے مضمون پر دی گئی روزمرہ کی رپورٹ میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ ان کا تعلق 2/1 پنجاب رجمنٹ سے تھا۔

2۔ میجر طفیل محمد شہید۔ ان کا تعلق بھی پنجاب رجمنٹ کی سولھویں بٹالین سے تھا۔ 1914ء میں ہوشیار پور میں پیدا ہوئے تھے اور 1943ء میں کمیشن حاصل کیا تھا۔ اپنی نمایاں کارکردگی دکھاتے وقت وہ ایسٹ پاکستان رائفلز میں کمپنی کمانڈر تھے۔

1958ء کے ماہ اگست میں انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کی اس نفری سے مورچہ خالی کرائیں جنہوں نے لکشمی پور کے علاقے میں قبضہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے صبح ہونے سے پہلے ہی دشمن کے مورچوں کا محاصرہ کر لیا اور اپنے جوانوں کو ان کے مورچوں سے پندرہ گز کے فاصلے تک لے گئے۔ دشمن نے فائر کھولا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ وہ دشمن کے فائر سے زخمی ہو گئے مگر اس کے باوجود دستی بم پھینک کر دشمن کی مشین گن کو خاموش کیا۔ دوسری مشین گن کے فائر سے ان کے نائب کمانڈر شہید ہو گئے۔ میجر طفیل نے اس مشین گن کو بھی دستی بم سے نیست و نابود کر دیا۔ اتنے میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا دشمن کا کمانڈر دبے پاؤں ان کے ایک جوان کی طرف

بڑھ رہا ہے تو زخمی ہونے کے باجود انہوں نے اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا کر نیچے گرایا اور اپنی فولادی ٹوپی سے اس کا چہرہ کچل دیا۔

اس وقت تک لڑتے رہے جب تک دشمن اپنے پیچھے چار لاشیں اور تین قیدی چھوڑ کر پسپا نہ ہو گیا۔

میجر طفیل اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اسی دن اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور نشان حیدر حاصل کرنے والے دوسرے فوجی افسر بنے۔

3۔ میجر راجہ عزیز بھٹی شہید۔ راجہ عزیز بھٹی اگرچہ ہانگ کانگ میں 1928ء میں پیدا ہوئے۔ لیکن ان کے والدین کا تعلق (گجرات) پنجاب کے ایک اعلیٰ گھرانے سے تھا۔ انہوں نے 1950ء میں پنجاب رجمنٹ میں کمیشن حاصل کی:

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مطابق انہوں نے جب کمیشن پائی تو اکیڈمی سے اعلیٰ ترین کیڈٹ ہونے کی حیثیت سے "شمشیر اعزاز" اور "نارمن گولڈ میڈل" دونوں اعلیٰ اعزاز حاصل کئے۔ لیکن ایک اور اعلیٰ ترین اعزاز "نشان حیدر" ابھی ان کا منتظر تھا۔

ستمبر 1965ء کی جنگ میں وہ برکی کے علاقے میں ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کی کمپنی نہر کے دونوں کناروں پر قبضہ کئے دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کا بڑی بے جگری سے پچھلے پانچ دنوں سے مقابلہ کر رہی تھی لیکن دشمن نے انہیں اکھاڑنے کے لئے دس ستمبر کی رات ایک پوری بٹالین سے ان پر حملہ کر دیا۔ اس پر انہیں نہر کے اپنے طرف کنارے پر آ جانے کا حکم ملا۔ وہ بڑی کامیابی سے نہ صرف دشمن کے حملے کو روکے رہے بلکہ اپنے تمام جوان اور گاڑیاں نہر کے اپنی جانب لے آئے۔

دشمن اپنی توپوں، ٹینکوں اور چھوٹے ہتھیاروں سے دباؤ بڑھاتا رہا لیکن وہ بڑی کامیابی سے ان کا منہ پھیرتے رہے اور اپنے جوانوں کی نہ صرف کامیابی سے کمان کرتے رہے بلکہ ان کے لئے بہادری کی ایک مثال بنے رہے حتیٰ کہ دشمن کے ٹینک کا ایک گولہ ان کے بائیں شانے پر آ لگا اور وہ ایک لازوال مثال قائم کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کو اس قابل تعریف بہادری اور بے مثل قیادت پر نشان حیدر پس از مرگ ملا۔

4۔ میجر شبیر شریف (شہید)۔ شبیر شریف بھی ضلع گجرات کے قصبے کنجاہ میں 1943ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1964ء میں فوج کی 6 ایف ایف (فرنٹیئر فورس) میں کمیشن پائی۔ 1971ء کی جنگ میں ان کی پلٹن سلیمانکی ہیڈورکس پر ڈیپلائے تھی اور وہ اس کی ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔

3/ دسمبر 1971ء کو جب جنگ شروع ہوئی تو انہیں حکم ملا کہ سامنے ایک اونچے بند پر قبضہ کیا جائے تاکہ اس سیکٹر کے دو گاؤں گورمکھ کھیڑہ اور بیری والا ہماری زد میں آسکیں۔ یہاں دشمن کی آسام رجمنٹ کی کمپنی سے زیادہ کی فورس ٹینکوں کے ساتھ مورچہ زن تھی۔ میجر شریف کو اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے نہ صرف بارودی سرنگوں بلکہ تیس فٹ چوڑی اور دس فٹ گہری نہر کو بھی تیر کے عبور کرنا تھا۔

لیکن انہوں نے شام تک ان مشکلات پر قابو پاتے ہوئے براہ راست دشمن پر حملہ کر کے ان مورچوں پر قبضہ کر لیا۔ اس معرکے میں دشمن کے 43 سپاہی مارے گئے اور 38 قیدی بنائے گئے۔ چار ٹینک تباہ ہوئے۔ [1]

اگلے تین دن رات دشمن بار بار جوابی حملے کرتا رہا لیکن ان کی دو بٹالینوں کو اپنی بلندی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شبیر شریف نے انہیں قریب نہ پھٹکنے دیا۔ 5 اور 6/ دسمبر کی رات کو جب دشمن کی 4 جاٹ رجمنٹ کا ایک کمپنی کمانڈر ان کے مورچے کے قریب آپہنچا۔ انہوں نے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا اور نہ صرف اسے موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ دشمن کی اہم دستاویزات پر بھی قبضہ کر لیا لیکن 6/ دسمبر کی سہ پہر دشمن کا حملہ روکتے ہوئے ایک اینٹی ٹینک گولہ سیدھا انہیں آکر لگا اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا اور نشان حیدر کے مستحق قرار پائے۔

5۔ میجر محمد اکرم (شہید)۔ میجر اکرم بھی ضلع گجرات کے قصبہ ڈنگہ میں اپریل 1938ء کو پیدا ہوئے۔ 13/ اکتوبر 1963ء کو انہوں نے بھی کمیشن پانے کے بعد فرنٹیئر فورس میں **شمولیت اختیار** کی۔ 1971ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان میں ہلی کے مقام پر ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ یہاں دشمن نے زبردست دباؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ اپنی فضائیہ، توپ خانہ اور ٹینک سے مسلسل گولہ باری کر رہے تھے لیکن میجر اکرم اپنی جگہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے حتیٰ کہ دشمن نے ایک بریگیڈ قوت اور ٹینکوں سے حملہ کیا لیکن وہ اسے بھی دو ہفتے تک روکے رہے اور بھاری نقصان پہنچاتے رہے۔ مگر جان دے دی۔ اپنی پوزیشن نہ چھوڑی۔ جب تک کہ دشمن کے ٹینک ان کو روندتے ہوئے نکل نہ گئے۔

6۔ پائلٹ آفیسر راشد منہاس (شہید)۔ نہ صرف یہ کہ راشد منہاس نشان حیدر پانے والوں میں سب سے کم عمر اور نوجوان آفیسر تھے بلکہ ہوائی فوج میں نشان حیدر حاصل کرنے والے پہلے اور اب تک آخری جانباز ہیں۔ وہ فروری 1951ء میں کراچی میں پیدا ہوئے اور بیس سال کی عمر میں

---

[1] مصنف کے نقطہ نظر کے مطابق میجر شبیر شہید کا یہی کارنامہ انہیں نشان حیدر کا مستحق بناتا ہے۔

اس اعلےٰ ترین اعزاز کے مستحق قرار پائے۔

اگست 1971ء میں جب کہ ملکی حالات بڑے نازک دور سے گزر رہے تھے وہ اپنی معمول کی پرواز پر جہاز کو رن وے پر لے جا رہے تھے کہ اچانک ایک انسٹرکٹر جہاز کے کاک پٹ میں زبردستی داخل ہو گیا اور کنٹرول خود سنبھال کر جہاز کو بلند کر دیا۔ راشد منہاس کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ اس انسٹرکٹر کے عزائم درست نہیں اور وہ ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈالتے ہوئے جہاز بھارت کی جانب لے جانا چاہتا ہے۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اگر وہ جہاز کو ملکی سرحدوں میں نہ رکھ سکیں تو بھارت بھی نہ جانے دیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر وہ جہاز کے کنٹرول پر اس طرح جھپٹے کہ جہاز سرحد سے 32 میل ادھر ہی گر کر تباہ ہو گیا۔ یوں نہ صرف انہوں نے دشمن کے عزائم کو خاک میں ملا دیا بلکہ وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا اور یوں راشد نے ملک کی عزت و وقار پر اپنی جان بلا دریغ نچھاور کر دی۔

7۔ لانس نائیک محمد محفوظ شہید۔ محمد محفوظ 25/ اکتوبر 1944ء کو ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں پنڈ ملکاں میں پیدا ہوئے اور ٹھیک 22 سال کی عمر میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ 1971ء کی جنگ میں وہ 15 پنجاب رجمنٹ کی ''اے'' کمپنی میں تھے۔ جو ''واہگہ اٹاری'' سیکٹر پر ملک کی حفاظت میں مصروف تھی۔ 17/18/ دسمبر کی رات انہیں پل کنجری نامی گاؤں پر قبضے کا حکم دیا گیا۔ لانس نائیک محمد محفوظ کی پلاٹون نمبر 3 حملے کے وقت سب سے آگے تھی۔ اس لئے انہیں دشمن کے مضبوط پکے مورچوں سے گولیوں کی سخت بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر بھی وہ پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کے مورچوں سے ستر گز کے فاصلے تک پہنچ گئے۔ یہاں سامنے اور پہلو سے دشمن کے خودکار ہتھیاروں نے ان کی پیش قدمی کو قدرے روک لیا اور صبح ہوتے ہی توپوں کے گولے بھی ان پر برسنے لگے لیکن ان جوانوں نے حوصلہ نہ ہارا حتی کہ جب محفوظ کی مشین گن ایک گولے کی زد میں آکر ناکارہ ہو گئی تو انہوں نے اپنے ایک شہید ساتھی کی ہلکی مشین اٹھا کر اس مورچے پر ہلہ بول دیا جہاں سے خودکار ہتھیار کی گولیاں آ رہی تھیں جس نے ان کی دونوں ٹانگوں کو چھلنی کر دیا مگر وہ فائر کرتے اور گھسٹتے گھسٹتے دشمن کے بنکر تک پہنچ گئے اور ایک دم اپنے زخموں سے لاپرواہ کھڑے ہو کر ان پر پل پڑے۔ اتنے میں ایک گولی اور آ لگی اور مشین گن ہاتھ سے چھوٹ گئی تو اپنے خالی ہاتھوں سے دشمن کا گلا گھونٹنے لگے کہ اتنے میں دشمن کے ایک اور سپاہی نے سنگین مار کر انہیں شہید کر دیا۔

ان کی اس بے مثل بہادری کی تعریف جنگ بندی کے بعد مقابل کمانڈر نے بھی کی۔

یوں بے جگری سے لڑنے اور اپنی زندگی تک کو داؤ پر لگا دینے پر انہیں نشان حیدر عطا کیا گیا۔

8۔ سوار محمد حسین شہید۔ 1971ء کی جنگ اور اب تک آخری نشان حیدر پانے والے

جوانمرد محمد حسین شہید تھے۔ یہ راولپنڈی کی ڈھوک پیر بخش کے رہنے والے تھے اور 18/ جنوری 1949ء کو پیدا ہونے کی بناء پر پیدائشی پاکستانی تھے۔ یہ 1966ء میں 17 سال کی عمر میں فوج میں بھرتی ہوئے اور ڈرائیور کی تربیت حاصل کی۔ 1971ء کی جنگ میں یہ 20 لانسرز کے ساتھ خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے یونٹ کے ساتھ ہر معرکے میں حصہ لیا اور اکثر مشین گن سنبھال کر دشمن سے براہ راست مقابلہ کیا۔ یوں دسمبر 1971ء کو "ظفروال۔ شکر گڑھ" کے سیکٹر میں **دشمن کے** ٹینکوں اور توپوں کی بے پناہ گولہ باری کے باوجود اپنی جان اور حفاظت سے لاپرواہ اپنے جوانوں کو گولہ بارود پہنچاتے رہے۔

10/ دسمبر کو انہوں نے دشمن کو "ہرر خورد" گاؤں کے نزدیک اپنی بارودی سرنگوں کے قریب مورچے کھودتے دیکھا۔ یونٹ کمانڈر کو اطلاع دی اور یکے بعد دیگرے اپنی ایک ایک ٹینک شکن توپ کے پاس پہنچ کر ان کی شست اور فائر درست کروائی جس کے نتیجے میں دشمن کے سولہ ٹینک تباہ ہوئے۔ اسی شام کو جب ایک ٹینک شکن گن کو دشمن کا ٹھکانہ دکھا رہے تھے تو ان کے ایک ٹینک سے مشین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں وطن پر نثار ہوگئے۔ سوار محمد حسین نشان امتیاز پانے والے پہلے سپاہی تھے۔

نشان حیدر پانے والوں کی تفصیل

افسر	جوان	آرمی	فضائیہ	**سب سے زیادہ** عمر	سب سے کم عمر	پہلے افسر	پہلے سپاہی
6	2	7	1	محمد طفیل (44 سال)	راشد منہاس (20 سال)	سرور شہید	محمد حسین شہید

راولپنڈی سے تین۔ گجرات سے تین۔ مشرقی پنجاب سے ایک۔ کراچی سے ایک۔

بہادری کے اجزائے ترکیبی

بہادری نہ تو کسی ملک، نہ قوم، نہ خاندان اور نہ ہی کسی ایک شخص یا دور کی میراث ہوتی ہے۔ بہادر ہر ملک ہر قوم اور ہر دور میں پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں۔ بہادر کس مٹی کے بنے ہوتے ہیں تو وہ بھی اسی مٹی کے بنے ہوتے ہیں جس مٹی کے خمیر سے ہم سب اٹھے ہیں۔ میں، آپ اور دنیا کا ہر شخص بنا ہے۔ اس لئے نہ تو اس کے لئے رنگ، نہ زبان، نہ تہذیب، نہ ثقافت، نہ قد و قامت کی تشخیص کی جا سکتی ہے نہ تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی کو پیدائشی وراثت میں ملی ہے اور نہ ہی یہ کہ اس کا ذوق پیدا کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسے ابھارنے کے لئے ہر زمانے میں ہر قوم نے اپنے اپنے طریقہ کار استعمال کئے۔ یوں بہادر قومیں بھی بنیں اور بہادر فوجیں بھی وجود میں آئیں۔

لیکن کون کس وقت اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار کر پائے گا، اس کے بارے میں نہ کوئی وثوق سے کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی پیش گوئی کی جا سکتی ہے، ہاں البتہ اس سے انکار نہیں کہ کسی کے بہادری کے جوہر مشکل اور دشوار حالات میں ہی کھلتے ہیں۔ جب اس پر ایسا وقت آتا ہے کہ کیا وہ خود اور کیا اس کے ساتھی سبھی کی آنکھوں میں موت جھانک رہی ہوتی ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی جان کی فکر کرے۔ وہ اس کے آگے ڈٹ جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں میں سے ابھر کر ایک نمایاں اور یکتا حیثیت میں سامنے آتا ہے اور ایک یادگار مثال قائم کر جاتا ہے۔

یہاں ہمارا مقصد بہادری کے اجزائے ترکیبی کا مطالعہ کرنا نہیں۔ نہ ہی یہ تجزیہ کرنا مقصود ہے کہ کہاں کے لوگ زیادہ بہادر ہوتے ہیں اور کہاں کے کم۔ کیونکہ اس کا انحصار بھی ایک زمانے کے مخصوص حالات اور ایک قوم کے مخصوص مزاج اور بسا اوقات کسی ایک قائد کا مرہون منت ہوتا ہے۔

پہلے زمانے میں کسی فوج کے بہادروں کو خصوصی انعامات، جاگیروں، مال غنیمت میں حصہ، کنیزوں، غلام اور القابات سے نوازا جاتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب ممالک موجودہ دوران زماں کے مطابق سٹینڈنگ آرمی نہیں رکھا کرتے تھے۔ نہ تو ان کی پے سکیل ہوتی تھی، نہ ہی گریڈز، نہ ہی کمیوٹیشن اور نہ ہی پنشن۔ ہاں البتہ تحائف اور وظائف ہوتے تھے۔ وہ بھی اعلیٰ سپہ سالاروں تک محدود۔ وہ اپنے سپاہیوں جو بیشتر ان کے قبیلے، علاقے اور عملداری سے لئے گئے ہوتے ہیں۔ ان کو وہ خود اپنے حساب سے نوازتے تھے جب سپاہیوں کو تنخواہ ملنی شروع ہوئی تو کبھی ملی کبھی نہ ملی۔ اس پر ان کی سپاہ آمادہ بغاوت ہو جاتی تھی اور جب انہیں حالات میں بہتری کی صورت نظر نہ آتی تو وہ بلا تامل کسی مخالف حکمران یا سردار یا جاگیردار یا نواب یا پرنس یا بادشاہ سے جا ملتے بلکہ ایسے لوگوں کے لئے ایسے قدردانوں کے دروازے اکثر کھلے ہوتے تھے جو ان کی صلاحیتوں اور اہمیت کے مطابق انہیں نوازنے میں قطعی بخل نہ کرتے۔ ویسے بعض ممالک نے تو باقاعدہ کرائے کے سپاہیوں کی خدمات حاصل کر رکھی ہوتی تھیں۔ انہیں وہ MERCENARY سپاہی کہتے تھے۔ یہ لوگ سنگدلی اور شقاوت قلبی میں ناقابل یقین حد تک بے رحم ہوتے تھے۔ ویسے ان کی زندگی بھی برابر کی ناقابل یقین حد تک دشوار اور اذیت انگیز ہوتی تھی۔ موجودہ زمانے میں ان کی مثال فرنچ لیجن (FRENCH LEGION) میں ملتی تھی۔ نہ وہ کسی پر رحم کھاتے تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ رحمدلانہ سلوک ہوتا تھا۔

پرانے زمانے میں موجودہ دور کی طرح میڈل اور تمغے نہیں ہوتے تھے لیکن اعزازات ضرور ہوتے تھے اور تاریخ میں ایک یکتا قسم کا اعزاز ایک ایسا اعلیٰ ترین اعزاز دنیا میں صرف ایک ہی شخص پا

سکا جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملا تھا نہ ان کے بعد آج تک کسی کو ملا اور نہ ہی ابد تک کسی کو مل سکے گا۔ وہ تھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ خطاب ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) پانے کا اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت خالد بن ولید کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر انہوں نے زخم نہ کھایا ہو مگر آپ کے حصے میں شہادت نہیں آئی اور جب اپنے آخری زمانے میں آپ نے کسی دوست سے اس نعمت سے محروم رہ جانے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ ''آپ تو ''اللہ کی تلوار'' ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ اللہ کی تلوار کو کوئی زیر کر سکے۔'' یوں انہوں نے میدان جنگ میں شہادت پانے کی بجائے بستر مرگ پر داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کا تمام جسم ان کی بہادری کے نشانات (یا تمغہ جات) سے مزین تھا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کا خطاب ملا۔ یہ خطاب بھی اپنی جگہ پر یکتا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسد اللہ غالب کہلائے۔ یعنی غالب آنے والے اللہ کے شیر اور شیر کی مانند ہی دو بدو مقابلے میں نہیں بلکہ دشمن نے گھات لگا کر آپ کو شہید کیا۔

اور مکے کے کفار میں تو ایسے ایسے بہادر، نامور، جنگجو پہلوان تھے کہ ان کے بارے میں مشہور ہوتا تھا کہ وہ ایک ایک ہزار مقابل لڑاکوں پر بھاری ہوتے تھے۔ مگر وہی جنگجو پہلوان جنگ بدر میں خاصے غیر معروف مسلمان مجاہدوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے کیونکہ یہ مسلمان ایمان اور شہادت کے جذبات سے معمور تھے اور ان کے سپہ سالار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تھے۔ جس انداز میں ان 313 مجاہدوں نے اپنے سے تین گنا زیادہ اور کہیں بہتر طور پر مسلح کفار کا مقابلہ کیا اس کا اعتراف آنے والے ہر دور میں ہوا حتیٰ کہ ان کے اس اعزاز خصوصی کا اعتراف ہر خلیفہ وقت نے بر ملا کیا کہ یہ بدری صحابہ ہیں اور یہی ان کا سب سے بڑا اعزاز کا تمغہ تھا۔

اگرچہ ان اوراق میں اس زمانے اور اس کے بعد کے سبھی بہادروں کا تذکرہ ممکن نہیں مگر چند ایک کا ذکر باعث دلچسپی ضرور ہوگا۔ امیر تیمور صاحب قرآن۔ نہ صرف یہ کہ ایک اعلیٰ سپہ سالار، ایک بہادر امیر و حکمران اور قابل رشک فاتح تھے بلکہ ان میں دو تین ایسی منفرد خصوصیات یکجا تھیں جن کی تاریخ میں شاذ ہی مثال ملتی ہو۔

سب سے پہلی تو یہ کہ وہ نہ صرف حافظ قرآن تھے بلکہ ایک ایسے عالم جس نے ہمیشہ عالموں کی قدر کی اور ان سے ہمیشہ تبادلۂ خیال کر کے ان سے استفادہ کیا۔ وہ ایک ایسے یکتا سپہ سالار تھے جو اپنے

دونوں ہاتھوں سے یکساں مہارت کے ساتھ تلوار زنی کر سکتے تھے اور یوں اکثر اپنے مد مقابل پر لڑائی کے دوران اس کی توقع کے خلاف اس پر بائیں ہاتھ سے اچانک حملہ کر کے اسے ختم کر دیتے تھے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے لکھ سکتے تھے اور ستر سال سے بھی اوپر کی عمر میں انہوں نے اپنی خود نوشت بائیں ہاتھ سے تحریر کی۔

وفات کے بعد اپنی وصیت کے مطابق اپنے استاد کے قدموں میں دفنائے گئے۔

بابر نے بارہ ہزار فوج کے ساتھ اپنے مد مقابل ایک لاکھ فوج کو شکست دی۔ ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد تمام دریا خود تیر کے پار کئے اور وہ قلعے کی فصیل پر اپنے دونوں بازوؤں میں آدمیوں کو لپیٹ کر دوڑ سکتا تھا۔

خاندان مغلیہ میں ہی اورنگ زیب عالمگیر جیسا بادشاہ بھی گزرا جس نے پچاس برس حکومت کی اور اس میں سے پچیس برس دکن میں لڑائیاں لڑتے گزار دیئے۔ وہ بادشاہ بھی تھا، عالم بھی تھا اور سپہ سالار بھی، اس نے اصول کی جنگیں بھی لڑیں، موقف کی بھی اور سلطنت کے استحکام کے لئے بھی۔ پچیس برس تک گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

کہنے کو مقدونیہ کا فرماں روا سکندر بھی چوبیس برس کی عمر میں دنیا کی فتح کو نکلا اور اس زمانے کی جانی پہچانی تہذیبی دنیا کو فتح کیا اور صرف بتیس سال کی عمر میں وفات بھی پا گیا۔ وہ ایسا بہادر اور قابل رشک سپہ سالار تھا کہ دنیا آج بھی اسے سکندر اعظم کے نام سے پکارتی ہے۔

غازی صلاح الدین نے مسلمانوں کی گم کردہ شاندار روایتوں کو از سر نو زندہ کیا اور کردستان کے پسماندہ پہاڑوں سے نکل کے شام اور فلسطین میں مسلمانوں سے چھینی گئی سلطنت کو نہ صرف دوبارہ فتح کیا بلکہ مسلمانوں کے قبلہ اول بیت المقدس کو دوبارہ اغیار سے حاصل کیا۔ اس کے ساتھ لڑنے کے لئے یورپ سے بڑی بڑی افواج، شاہزادے اور بادشاہ آئے اور ان جنگوں کو مذہبی رنگ دے کر صلیبی جنگیں کہا گیا۔ انہی جنگوں میں انگلستان کے بادشاہ رچرڈ سوئم نے بھی حصہ لیا۔ جسے رچرڈ شیر دل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب وہ قید ہو کے صلاح الدین کے پاس آیا تو اس نے اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جیسا کہ ایک بہادر شخص کو دوسرے بہادر شخص کے ساتھ کرنا چاہئے۔ جس کا اعتراف رچرڈ شیر دل بھی کئے بغیر نہ رہ سکا۔

آج کل چیچنیا کی چھوٹی سی ریاست کے نام سے کون واقف نہیں جو اپنے سے سینکڑوں گنا بڑی ریاست روس سے نبرد آزما ہی اور روسی اسے کسی طور زیر نہیں کر پائے اور بالآخر ان سے گفت و شنید سے جنگ کا خاتمہ ہو سکا۔ ان کے بہادر سپہ سالار داؤدوف کو آنے والی نسلیں ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ ایسا پہلی دفعہ نہیں ہوا۔ اس سے پہلے بھی اہل چیچنیا ایک بار اس امتحان سے گزر چکے ہیں جب ان

کی بہادری کی تاریخ امام شامل نے اپنے خون سے تحریر کی تھی اور آج پھر ان کا بچہ بچہ وہی تاریخ دہرا رہا ہے گویا کہ نہ ان کا خون سرد ہوا ہے اور نہ ہی ان کا جذبہ سرد پڑا ہے۔

اس لئے بہادری کی داستانوں کے لئے صرف تاریخ کے اوراق کھنگالنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اکثر ہمارے سامنے بلکہ ہر ایک کے سامنے ہر زمانے میں رقم ہوتے رہے ہیں اور جرأت صرف میدان جنگ تک محدود نہیں ہوتی۔ اپنے ایمان اور عقیدے کے لئے طاغوتی طاقتوں کے سامنے کھڑے ہو جانا بھی جرأت بے مثال ہوتی ہے۔

اسلام کی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے واقعات جرأت، بہادری، ایمان وایقان کے ایسے درخشاں باب ہیں کہ جن کی مثال نہیں ملتی۔ جنہیں من شعائر اللہ گردانا گیا۔ یعنی وہ کام جنہیں اللہ نے پسند فرمایا۔ یہاں ان کو دہرانا مقصود نہیں کیونکہ ایک تو ہر شخص ان سے واقف ہے دوسرے وہ پیغمبران خدا تھے جو کہ ظاہر ہے عام انسانوں سے کہیں اولیٰ اور ارفع تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔

"سب سے بڑا جہاد۔ ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"

ظاہر ہے۔ سب سے بڑا جہاد کرنے والا کوئی بہادر ترین شخص ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نتیجہ کیونکر اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ادراک آپ کو اگلے چند واقعات سے ہوگا۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ اولین اماموں میں سے ایک تھے اور نبی اکرمؐ کے دور کے قریب ترین زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ حج کے موقع پر جب ساری دنیا کے مسلمان میدان عرفات میں جمع ہوتے تو دنیا بھر کے علمائے دین بھی سمٹ کر وہاں جمع ہو جاتے۔ جب حکومت کی جانب سے بھی اعلان ہوتا تھا کہ "امام مالکؒ اور ابن ابی ذائبؒ کے سوا اور کوئی نہ فتویٰ دے۔"

ابن ابی ذائب حکومت کے رعب وداب کے نتیجے میں یا پھر ان کی جانب سے عطا کردہ سہولتوں اور عہدوں کی بنا پر اکثر اپنی رائے دیتے وقت حکومت کے منشاء اور خوشنودی کو پیش نظر رکھتے۔ مگر امام مالکؒ اپنی حریت رائے اور اعلان حق میں اس کی پرواہ نہ کرتے تھے اور مصلحتوں اور نتائج سے لاپرواہ ہو کے بلا جھجک جیسی حقیقت سمجھتے ویسے فتویٰ دیتے تھے۔ ایسا ہی ایک فتویٰ آپ سے لیا گیا کہ اگر کسی سے طلاق بالجبر دلوائی جائے تو کیا صورت حال ہوگی؟

اس پر امام مالکؒ دوسرے ائمہ کی نسبت اس امر کے قائل تھے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

والی مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی نے جو خلیفہ منصور کا چچازاد بھائی بھی تھا امام کو حکم دیا کہ وہ یہ فتویٰ نہ دیں لیکن امام صاحب نے علی الاعلان اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس پر جعفر نے غضبناک ہو کر

حکم دیا کہ آپ کو ستر کوڑے مارے جائیں۔ چنانچہ آپ کو مجرموں کی مانند پکڑ کے لایا گیا۔ کپڑے اتارے گئے اور کوڑوں کی سزا پوری کی گئی۔ تمام پیٹھ لہولہان ہوگئی۔ دونوں ہاتھ مونڈھے سے اتر گئے۔ اس کے باوجود جعفر نے حکم دیا کہ انہیں اونٹ پر بٹھا کے شہر میں گھمایا جائے تاکہ لوگوں پر رعب طاری ہو کہ وہ اگر امام وقت کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے تو اور کسی کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن آپ بآواز بلند کہتے جاتے۔ "جو مجھ کو جانتا ہے، وہ جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا۔ وہ جان لے ۔ کہ میں مالک بن انس ہوں۔ فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں۔"

دراصل طلاق جبری درست قرار نہ دینے سے یہ فتویٰ بھی ملتا تھا کہ اگر خلیفہ وقت جبراً بیعت لے تو وہ بھی درست نہیں جو ظاہر ہے حکومت وقت کو گوارا نہ تھی اور وہ برداشت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت امام ابو حنیفہ جن کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے برصغیر کے تقریباً سبھی سنی مسلمان خود کو سنی حنفی گردانتے ہیں۔ ان کے زمانے کے خلیفہ ابو جعفر منصور کی دلی خواہش تھی کہ وہ امام محترم کو اپنے دربار سے منسلک کر لے تاکہ ان کے فتوؤں سے اس کے انداز حکومت میں خلل نہ آئے۔ چنانچہ اس نے انہیں کوفے سے بغداد بلوا بھیجا اور قاضی القضا۔ (یعنی آج کے چیف جسٹس) اور عباسی خلافت کی وزارت عدل (منسٹری آف لاء اینڈ جسٹس) کے منصب جلیل کی پیش کش کی۔ بڑی ردوقد ہوئی۔ ابو حنیفہ مسلسل انکار کر رہے تھے اور منصور کا اصرار تھا حتیٰ کہ ابو حنیفہ نے کہا۔

"قضا کی مجھ میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔"

"بلکہ تم ضرور قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔"

ابو جعفر منصور بڑا غضبناک ہوا اور اپنے ذاتی تجربے اور معلومات کی بنا پر کہہ اٹھا۔

"جھوٹ بولتے ہو قطعاً۔ تم اس کی صلاحیت رکھتے ہو"

حضرت امام اعظم بھی خاموش نہ رہ سکے۔ بڑی استغناء اور بے پرواہی کے ساتھ خلیفہ کو مخاطب ہو کر کہا۔

"لیجئے۔ آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا۔ کیا آپ کے لئے جائز ہے کہ اس شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا اور کذاب ہے۔"

منصور نے مزید غضب میں آ کے قسم کھالی کہ آپ کو یہ کام کرنا ہوگا اور آپ نے بھی قسم کھالی کہ میں ہرگز نہیں کروں گا۔

اس پر منصور نے غصے میں نتائج سے بے پرواہ ہو کے آپ پر کوڑے برسانے کا حکم دیا۔ ستر برس کی عمر میں آپ کی پشت پر تیس کوڑے برسائے گئے۔ خون پشت سے بہہ کر ایڑی تک پہنچا۔ اسی پر

بس نہیں کیا بلکہ آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا، وہاں بھی مختلف انداز میں تشدد جاری رکھا حتی کہ آپ کو موت کے آثار نظر آنے لگے اور جب آپ کو اپنی موت کا یقین آ گیا تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں سر جھکا دیا اور اپنی جان، جان آفریں کے قدموں میں نچھاور کر دی۔

ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے کی ان مثالوں سے بڑھ کے اور کیا مثالیں مل سکتی ہیں کہ نہ تحریص نہ شان و شوکت نہ حکومت و اقتدار ان کے پائے ثبات اور موقف کو متزلزل کر سکی اور ان سب کی بجائے پر تشدد موت کو لبیک کہا۔

دراصل ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے والے کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ میدان جنگ میں جب دو لڑنے والے ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں تو اپنے ہتھیاروں، اپنی حربی تربیت، اپنے جذبے کی بنا پر ایک دوسرے سے برابر کا مقابلہ ہوتا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کو شکست دینے اور فتح پانے کا برابر کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی مغلوب یا غالب ہو سکتا ہے۔

لیکن جب ایک شخص ظالم حاکم کے سامنے پہنچ کر کلمہ حق کہتا ہے تو وہ دراصل اپنی گردن تلوار کے نیچے رکھ کے بات کر رہا ہوتا ہے اور کچھ پتہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ وہاں سے زندہ نکلے گا یا مر کے اٹھایا جائے گا۔ بہ الفاظ دیگر وہ پیالہ شہادت کو ہونٹ سے لگا کر کلمہ حق کہنے کے لئے اپنے لب وا کرتا ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے کلمہ حق بلند کرتے ہوئے نہ صرف خود بلکہ اپنے خاندان تک کو اصولوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔

اسی طرح شر پسندوں نے مسلمانوں کے دار الخلافہ مدینہ منورہ میں خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ کی رہائش گاہ کا محاصرہ کر کے نہ صرف ان کی خوراک بلکہ پانی تک بند کر دیا اور مطالبہ کرتے رہے کہ آپ خلافت کا لباس اتار دیں۔ آپ ایک ہی بات کہتے تھے کہ اگر ایک بار یہ رسم چل نکلی تو پھر یہ ہمیشہ کے لئے روایت بن جائے گی اس لئے جو عزت و احترام مجھے اللہ تعالیٰ نے اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر عطا کیا ہے۔ اسے میں چند شر پسندوں کے کہنے پر کیوں چھوڑ دوں۔

جب شر پسند کسی طور نہ مانے تو آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"میں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا۔ حرا ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپ کے ساتھ تھا......"

لوگوں نے اقرار کیا۔

پھر آپ نے پوچھا۔ کہ آخر کس جرم پر مجھے قتل کرتے ہو۔

جرم صرف ایک تھا کہ تلوار کے سامنے حق نہ چھوڑا کہ یہ باعث تفرقہ ہوگا اور یوں اس طور خلافت بدلنے کی ریت پڑ جائے گی اور بالآخر ان شر پسندوں نے آپ کو شہید کر کے چھوڑا۔ مگر آپ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں فرمایا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ "حق ادا نہ ہوا"

ایسی ہی صورت حال کا سامنا حضرت عبد اللہ بن زبیر کو بھی کرنا پڑا۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ جناب زبیر بن عوامؓ کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء حضرت ابو بکرؓ خلیفہ اول کی بیٹی اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ تھیں لیکن کیا ماں تھیں اور کیا بیٹا تھا۔

یزید کی زندگی میں ہی اہل حجاز نے ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں اپنا خلیفہ چن لیا تھا۔ چونکہ حضرت ابن زبیرؓ کی شخصیت ہر لحاظ سے محترم تھی اس لئے حجاز و عراق اور مصر و شام کے تمام بڑے بڑے ملک ان کے ساتھ ہو گئے اور ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی لیکن ایک سیاسی غلطی کی بناء پر بنوامیہ کے مروان بن حکم نے بیعت لے کر بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھال لیا اور اپنے قدم مضبوط کر لئے۔ لیکن وہ جلد ہی اچانک وفات پا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عبد الملک تخت نشین ہو گیا۔ وہ بڑا مدبر، حوصلہ مند، مستقل مزاج اور بہادر تھا۔ اس نے جلد ہی اپنی پوزیشن مضبوط بنالی اور 71ھ میں ابن زبیرؓ کو زیر کرنے کے لئے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیر کے مقابلے پر بھیجا، جو حرم میں قلعہ بند تھے۔ حجاج نے مکے کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ کئی مہینے مسلسل محاصرہ رہا۔ اس دوران خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔

آخر قحط پڑ گیا۔ محصورین کو گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی نوبت آگئی۔ ان حالات سے گھبرا کے ابن زبیرؓ کے دس ہزار آدمیوں نے حجاج کے ہاں پناہ لے لی اور ایک ایسا وقت آیا کہ ان کے بیٹے بھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔

ابن زبیر نے اپنی ماں یعنی حضرت اسماءؓ کے سامنے صورت حال بیان کر کے رائے مانگی۔ اس پر انہوں نے جو جواب دیا۔ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ہی دے سکتی تھی۔ "بیٹا...... اگر تم حق پر ہو اور حق کے لئے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لئے لڑو۔ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لئے جان دی ہے۔ اگر دنیا طلبی کے لئے لڑتے تھے تو تم سے برا کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہو تو یاد رکھو۔ شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ۔ حق پر جان دینا۔ دنیا کی زندگی سے ہزار بہتر ہے۔"

یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا۔ "اماں۔ مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی امیہ میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔"

مگر اس شیر دل ماں نے جو جواب دیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ کہا۔

"بیٹا۔ ذبح ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ۔ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔"

ابن زبیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑھے اور بالآخر بڑی بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکائی۔

کئی دن کے بعد حضرت اسماءؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے دیکھ کے جو کہا۔ وہ بھی کوئی ماں آج تک نہ کہہ سکی۔ فرمایا۔

"ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا۔"

تاریخ بہادروں کی بہادری اور ان کی قابل ذکر ماؤں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے لیکن ایسے کلمۂ حق کے داعی ماں اور بیٹے کی شاید ہی کوئی اور مثال مل سکے۔ حضرت ابن زبیرؓ کی اس وقت عمر 72 برس تھی اور ان کی والدہ محترمہ کی نوے سے بھی کہیں اوپر۔

غالباً یہی وجہ رہی ہو گی کہ ہمارے ملک کے نامور اور مایہ ناز قانون دان جناب ایس ایم ظفر نے اپنی کتاب "میرے مشہور مقدمے" کو جناب عبداللہ بن زبیر کے نام معنون کیا ہے۔

ان تمام جلیل القدر اصحاب کے سینے پر بہادری کا کوئی تمغہ آویزاں نہیں لیکن وہ تاریخ کے ابواب میں سورج و چاند اور ستاروں کی مانند روشن اور نمایاں ہیں اور آنے والے ادوار میں بھی اسی طرح روشن و تابندہ رہیں گے۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے ناموں سے تمغے معنون کئے جا سکتے ہیں۔ ہم ایسے اور کئی بہت سے واقعات یہاں دہرا سکتے ہیں لیکن شاید یہ کتاب ان کی وسعت کا احاطہ نہ کر سکے۔

بہادری کے تمغے اور دیگر ممالک

بہادر یا بہادری کسی ایک ملک، قوم یا علاقے کی خصوصیت نہیں ہوتی۔ ہر ملک کے اپنے اپنے شجاع اور بہادر ہوتے ہیں ہر ملک اور قوم کے لوگ اپنے حساب، قوانین، رواج کے مطابق ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں اور انہیں مختلف انداز میں نوازتے ہیں۔ ہمارے "نشان حیدر" کے مماثل بھارت میں "پرم مہاویر چکر" ہے۔ جرمنی والوں کے ہاں "آئرن کراس" ہے۔ امریکہ میں "میڈل آف کانگرس" ہے۔ انگریزوں کے ہاں "وکٹوریہ کراس" ہے۔ چونکہ ہمارے برصغیر پر انگریزوں کا تسلط رہا اور ہمارے ملک کا ایک بڑا حصہ ان کی مملکت میں اور ان کی افواج میں خدمات

سرانجام دیتا ہا اس لئے ہمارے ہاں کے لوگ "وکٹوریہ کراس" کے نام سے اچھی طرح واقف ہیں اور متعارف ہیں اور پھر ہماری اپنی سرزمین کے خاصے سابقہ فوجی انگریزوں کے عطاکردہ تمغہ جات لئے ہوئے ہیں اور ان میں سے کئی ابھی تک بقید حیات ہیں۔ وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والا تو اب پاکستان میں کوئی زندہ باقی نہیں رہا۔ البتہ ملٹری کراس (ستارۂ جرأت کے برابر)۔ کے حامل افراد ابھی تک موجود ہیں۔ ہمارے ڈرامے "نشان حیدر" میں کیپٹن جمشید نہ صرف "ملٹری کراس" پانے والوں میں سے ایک تھے۔ بلکہ ستارۂ جرأت بھی دوبار حاصل کر چکے ہیں اور جو کوئی بھی بہادری کا ایسا تمغہ ایک دفعہ سے زیادہ حاصل کرے اس کے ساتھ بار کا لفظ شامل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی بہ الفاظ دیگر کیپٹن جمشید جو میجر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ان کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ ملٹری کراس۔ ایس جے اینڈ بار۔

انگریزوں میں بھی جرأت کے لئے کسی اعلےٰ تمغے کی ضرورت غالباً اس وقت محسوس کی گئی جب ان کی مملکت کی سرحدیں چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں اور شاید (میں شاید ہی کہوں گا۔ یقین سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی) اس کا شدت سے احساس انہیں جنگ کریمیا کے بعد ہوا جو کہ **1854**ء میں ہوئی تھی اور "وکٹوریہ کراس" عطا کرنے کا فیصلہ **1856**ء میں ہوا اور اسے **1854**ء سے لاگو کیا گیا۔ اس کا مقصد تھا کہ اپنے لوگوں کی جرأت و بہادری کا اعتراف کرنے اور اپنی افواج کا مورال بلند کرنے کے لئے ایک ایسا اعلےٰ ترین اعزاز عطا کئے جانے کا اعلان کیا جائے جو کہ نہ صرف اس کے پانے والے اس کے خاندان کے افراد بلکہ تمام ملک کے لئے باعث فخر اور سربلندی ہو اور پھر جس زمانے میں قائم کیا گیا وہ تھا بھی سلطنت برطانیہ کا دور زریں یعنی ملکہ وکٹوریہ کا عہد حکومت۔

یوں "وکٹوریہ کراس" دشمن کا سامنا کرتے ہوئے اعلےٰ ترین جرأت و بہادری کا کارنامہ سرانجام دینے والوں کو عطا کیا جانے لگا۔

انگریزوں نے اپنی روایت پسندی کے پیش نظر سیباسٹاپول کے معرکے میں ہاتھ آئی ایک توپ کو ڈھال کر اس کے پیتل سے اس کا میڈل "وکٹوریہ کراس" بنا کر عطا کئے جانے کی پہلی تقریب **26**/ جون **1857**ء کو ہائیڈ پارک میں منعقد ہوئی جس میں ملکہ وکٹوریہ نے **62** وکٹوریہ کراس عطا کئے۔

اس کے بعد عطا کئے جانے والے وکٹوریہ کراسوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ اگست **1854**ء سے **1** اگست **1914**ء تک	**522** عدد
2۔ **2** اگست **1914**ء سے **30** اپریل **1920**ء تک	**633** عدد
3۔ یکم مئی **1920**ء سے دسمبر **1938**ء تک	صرف **5** عدد
4۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران	**182** عدد

5۔ اس کے بعد اب تک 4 عدد

کل تعداد **1346** عدد

ان میں تین ایسے افراد بھی شامل ہیں جنہوں نے وکٹوریا کراس دو مرتبہ حاصل کیا۔ جی ہاں دو مرتبہ اور کمال یہ ہے کہ دو بار اس اعزاز کو حاصل کرنے والے تین افراد میں سے دو حضرات ڈاکٹر تھے وکٹوریہ کراس کے بارے میں مجھے معلومات حاصل کرنے کی تحریک مشہور مزاح نگار ڈاکٹر میجر جنرل شفیق الرحمٰن صاحب سے گفتگو کے دوران ہوئی جب آپ نے بتایا کہ دو مرتبہ وکٹوریہ کراس حاصل کرنیوالے دو ڈاکٹر تھے۔ یوں اس موضوع کو اس کتاب میں شامل کرنے کی تحریک بھی ہوئی۔

ایک اور دلچسپ اور اہم امر یہ ہے کہ غدر (جنگ آزادی ہند) میں عطا کئے جانے والے وکٹوریا کراسوں کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی دوسری جنگ عظیم کی ہے۔ اس امر سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ کے نزدیک ہندوستان میں واقع ہونے والی بغاوت (یا ہمارے مطابق جنگ آزادی) کس قدر اہمیت کی حامل تھی کہ وہ جنگ عظیم دوئم کی ہم پلہ ٹھہری مگر ایک حقیقت سے انکار نہیں۔ اس کے بعد ہندوستان میں برطانوی حکومت آئندہ سو برس کے لئے قائم اور مستحکم ہوگئی اور بالآخر اسے تاج برطانیہ کا ایک درخشندہ ہیرا گردانا گیا۔ قربانیاں تو اپنی جگہ لیکن اس کے جو مفاد حاصل ہوئے اس نے ان کی سلطنت کو عالمی سطح پر بلا شبہ سو سال تک بلا شرکت غیرے دوام بخشا۔

کسی ایک معرکے میں کسی بھی رجمنٹ کو سب سے زیادہ تعداد میں اس اعلٰے ترین اعزاز کو حاصل کرنے کا فخر ساؤتھ ویلز بارڈرز **(South Wales Borders)** کو حاصل ہے جس نے زولووار کے ایک معرکے میں سات وکٹوریہ کراس حاصل کئے۔ جن میں ایک لیفٹیننٹ، ایک کارپورل اور پانچ پرائیویٹ سولجرز تھے۔ ان کے بعد گیلی پولی (ترکی) کے معرکے میں "ناشتے سے پہلے چھ وکٹوریا کراس" لنکا شائر فیوزلیئر کے فوجیوں نے حاصل کئے لیکن اس کے باوجود زولووار میں حصہ لینے والوں کو یہ یکتا اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے اس شش ماہی معرکے میں **21** وکٹوریہ کراس حاصل کئے اور کمال یہ ہے کہ زولوز کے حملوں کی شدت اور اپنی گھٹتی قوت کے پیش نظر قیدی سپاہیوں کو بھی آزاد کر دیا گیا۔ وہ بھی سب کی مانند بڑی بہادری سے لڑے اور وکٹوریہ کراس حاصل کر پائے۔ زولووار پر انگریزی میں ایک معرکتہ الآرا فلم بنی ہے جو حال ہی میں ٹی وی پر دکھائی گئی تھی۔

1897-98ء یعنی اب سے ٹھیک سو سال قبل انگریزوں نے مالاکنڈ، سوات اور تیراہ میں مختلف معرکوں میں سات وکٹوریہ کراس عطا کئے۔ اس علاقے کے بارے میں ان کی اپنی رائے تھی کہ یہ

ساری دنیا میں سب سے سخت صبر آزما جنگی میدان تھا۔ جہاں عقابی آنکھیں رکھنے والا دشمن ذرا سی بھی حربی غلطی پر 900 گز کے فاصلے سے فوری اور بے رحم گولی داغ دیتا جو کبھی نہ چوکتی تھی۔ اس کے علاوہ 1892ء میں ہنزہ نلت فورٹ کے معرکے میں تین اور 1895ء میں چترال کے معرکے میں انڈین میڈیکل سروس کے سرجن کیپٹن ویٹ چرچ کو وکٹوریہ کراس عطا کیا گیا۔ قارئین کی دلچسپی کی خاطر اپنے ملک کے سرحدی علاقے میں دیئے جانے والے وکٹوریہ کراسوں کی مختصر تفصیل کچھ یوں ہے۔

1۔ مالاکنڈ۔ لیفٹیننٹ کاسٹیلو کو 1887-7-27 کو دیا گیا۔

2۔ تیراہ (نواکلی) میجر اور بریوٹ لیفٹنٹ کرنسل ایڈیمز کو 1887-8-17 کو دیا گیا۔

3۔ تیراہ (نواکلی) کے معرکے میں ہی اسی دن لیفٹیننٹ فن کاسل (16 لانسرز) کو دیا گیا۔

4۔ تیراہ (نواکلی) کے معرکے میں ہی ایک بار پھر تیسرا وکٹوریہ کراس لیفٹیننٹ میکلین کو دیا گیا۔

سوچنے کی بات ہے کہ تیراہ ایجنسی کا وہ معرکہ کیا معرکہ خیز معرکہ رہا ہوگا کہ جہاں ایک دن کی لڑائی میں اس پس ماندہ کم وسائل کے حامل پٹھانوں نے کس بہادری اور جرأت سے دشمن کا سامنا کیا ہوگا' لیکن ان کی بہادری کے قصے یا تو ان کے ساتھ ہی دفن ہو گئے ہیں یا پھر ان کے قبیلے کے لوگوں کے سینوں میں دفن ہیں۔ کون جانے ان کو بھی اگر کوئی اسی طرح بہادری کے ترازو میں تولنے والا ہوتا تو انگریزوں کے مقابلے میں ان بے وسائل قبائل کا پلڑا کتنا بھاری ہوتا۔

اس کے بعد جو نام سامنے آتا ہے۔ وہ مہمند ایجنسی کا ہے۔ اس نام کی بناء پر ہی اسے معرکہ مہمند کا نام دیا گیا تھا۔ یہاں بھی 1887ء میں تین وکٹوریہ کراس دیئے گئے۔

1۔ بلوٹ (مہمند ایجنسی) کے مقام پر انجینئرز کے لیفٹیننٹ کالون کو 16/ ستمبر کو دیا گیا۔

2۔ بلوٹ (مہمند ایجنسی) کے مقام پر ہی کارپول سمتھ کو 16/17 / ستمبر کے معرکے میں دیا گیا۔

3۔ اور پھر بلوٹ (مہمند ایجنسی) میں ہی ایک اور انجینئر آفیسر لیفٹیننٹ واٹسن کو 16/ ستمبر کو دیا گیا۔

ایک ماہ بعد تیراہ ایجنسی میں درگئی کی اونچائیوں پر 20/ اکتوبر کو پرائیویٹ لاسن کو ملا۔

اور اسی دن اسی مقام پر لڑے جانے والے معرکے میں لیفٹیننٹ پینل کو وکٹوریہ کراس ملا۔

ان تفاصیل کو پیش کرنے کا ایک یہ مقصد بھی ہے کہ شاید صوبہ سرحد سے کوئی محقق اٹھے اور اپنے جوانمردوں کے شاندار کارناموں کو قلم بند کرنے کا بیڑہ اٹھائے۔ بعض داستانیں تو آج بھی سینہ گزٹ سے منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں لیکن ضرورت ہے کہ ان کو بروقت محفوظ کر لیا جائے۔ تاکہ اس سے پیشتر کہ وہ وقت کے دھندلکوں میں گم ہو جائیں اور ہم ان کو ہمیشہ کے لئے بھلا ڈالیں۔ وہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنیں۔

انگریزوں نے اپنے ان لوگوں کی تاریخ، اعداد و شمار اور دلچسپ معلومات کو یکجا کر کے کتاب اے کی شکل دے دی ہے۔ اس میں تو یہاں تک تفصیل دی گئی ہے کہ سب سے کم عمر سب سے زیادہ عمر میں وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والے لوگ کون تھے۔ وہ فوج کے کن کن شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے کون کون افراد فوج کے اعلےٰ ترین عہدوں تک پہنچے۔

ہم نے اپنے پس منظر اور پیش منظر کے باب میں کہا تھا کہ ضروری نہیں کہ بہادر باپ کا بیٹا بھی بہادر ہو۔ یعنی اس حد تک کہ وہ بھی کسی ایسے اعلےٰ اعزاز پانے کا مستحق ٹھہرے کیونکہ یہ تو ایک انفرادی اور یکتا اعزاز ہوتا ہے اور کسی کو ورثے میں نہیں ملتا لیکن ایسا ہونا ناممکن نہیں چونکہ سلطنت برطانیہ کی عسکری تاریخ بڑی پرانی ہے اور ان کی فوجوں نے جہان بھر میں مختلف اوقات میں مختلف جنگوں میں حصہ لیا ہے۔ اس لئے ان کے پاس ایسے اعلےٰ ترین اعزاز یافتہ لوگوں کی ایک طویل لسٹ ہے اور اس لسٹ کے مطابق اس اعزاز ناممکن کا حصول ممکن ٹھہرا۔

ان کے ہاں تین ایسے باپ بیٹے ہو گزرے ہیں جنہیں اس اعزاز سے نوازا گیا۔ اس اعزاز یکتا کے ناموں کا ذکر بے جا نہ ہوگا اور وہ مندرجہ ذیل تھے۔

(1) (ا) لیفٹیننٹ۔ ایف۔ ایس۔ رابرٹس۔ بنگال آرٹلری کو غدر (جنگ آزادی) میں **2**/ جنوری **1858**ء کو عطا کیا گیا۔

(ب) لیفٹیننٹ دی آنریبل ایف۔ ایچ۔ ایس۔ رابرٹس کنگز رائل رائفل کور۔ جنوبی افریقہ کی جنگ میں **15**/ دسمبر **1899**ء۔

(2) (ا) کیپٹن ڈبلیو۔ این۔ کانگریو۔ دی رائفل بریگیڈ۔ جنوبی افریقہ کی جنگ **15**/ دسمبر **1899**ء کو۔

(ب) بریوٹ میجر۔ ڈبلیو۔ لا۔ ٹی۔ کانگریو۔ ڈی۔ ایس۔ او۔ ملٹری کراس۔ دی رائفل بریگیڈ۔ فرانس جولائی **1916**ء

گویا انہوں نے بہادری کے تین اعلےٰ ترین اعزاز حاصل کئے۔ یعنی ڈی ایس او ملٹری کراس اور وکٹوریہ کراس۔

(3) (ا) میجر سی جے ایس گف ففتھ بنگال یورپین کیولری۔ غدر (جنگ آزادی) **1887**ء

(ب) کیپٹن اینڈ بریوٹ میجر جے۔ ای۔ گف۔ دی رائفل بریگیڈ سمالی لینڈ **22**/ اپریل **1903**ء

---

1 The Story of the Victoria (1856-1963) Cross by Brig The Rt Hon Sir John Smyth Bt., V.C., MC., M.P

اگر باپ بیٹے ایسے یکتا اعزاز کے حامل ٹھہرے۔ تو ایسے چار بہادروں کے بھائی بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ سر بلند ٹھہرے۔

(1) (ا) میجر سی جے ایس گف ففتھ بنگال یورپین کیولری (اوپر۔3۔ا والے)۔

(ب) لیفٹیننٹ۔ ایچ ایس گف فرسٹ بنگال یورپین لائیٹ کیولری۔ غدر (جنگ آزادی)

یوں گف خاندان کے تین افراد نے یہ اعزاز حاصل کیا۔ غالباً یہ دنیا کا واحد ایسا ریکارڈ ہوگا کہ جسے آسانی سے نہ توڑا جا سکے گا۔

(2) میجر آر۔ ڈبلیو سر تورلیس بی ایم بی سکستھ بنگال کیولری 17/ جنوری 1874ء

(ب) کیپٹن۔ ای۔ ایچ۔ سار تورلیس ففٹی نائنتھ فٹ۔ 24/ اکتوبر 1875ء

(3) (ا) سیکنڈ لیفٹیننٹ اے بی ٹرنر رائل برکشائر رجمنٹ۔ 23/ ستمبر 1915ء

(ب) لیفٹیننٹ کرنل وی بی ٹرنر دی رائفل بریگیڈ۔ 27/ اکتوبر 1942ء

(4) (ا) لیفٹیننٹ کرنل بی آر بریڈ فورڈ۔ ملٹری کراس۔ 9th بٹالین ڈرہم لائیٹ انفینٹری۔ اکتوبر 1916ء

(ب) لیفٹیننٹ کمانڈر جی ایس بریڈ فورڈ۔ رائل نیوی۔ 23/ اپریل 1918ء

ضروری نہیں کہ جو حضرات بہادری کا اعلےٰ ترین اعزاز حاصل کریں وہ اپنے فوجی کیریئر کے اعلےٰ ترین عہدوں اور رینکوں تک بھی پہنچیں کیونکہ بہادری اور جرأت رندانہ کے اجزائے ترکیبی اور ہوتے ہیں اور اعلےٰ ترین عہدوں تک پہنچنے کے لئے ترقی کا زینہ قطعی مختلف صلاحیتوں کا تقاضا کرتا ہے مگر ایسے بھی چند لوگ گزرے ہیں جنہوں نے ہر دو اعزازات حاصل کر دکھائے۔

جنرل او مُور کریغ نے جنگ افغانستان میں 1875ء میں وکٹوریہ کراس حاصل کیا اور 1909ء میں افواج ہند کے کمانڈر ان چیف مقرر ہوئے۔

اسی طرح 1879ء میں ہی قندھار میں افغان وار میں وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والے جارج سٹیورٹ وائٹ فیلڈ مارشل کے رینک تک پہنچے۔

انگریزوں کا یہ اعلےٰ ترین اعزاز صرف فوجیوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ چار سویلین بھی اس اعزاز کے مستحق گردانے گئے۔ ان میں سے تین تو غدر (جنگ آزادی) بنگال سول سروس میں مجسٹریٹ تھے اور چوتھا بنگال کا ایک پادری تھا جسے افغان وار میں یہ اعزاز دیا گیا۔

اگرچہ خواتین بھی یہ اعزاز حاصل کرنے کا استحقاق رکھتی ہیں مگر ابھی تک وہ اس کو پانے سے محروم ہیں۔

برصغیر پر مشتمل ہندوستانی فوج کا ان 1346 وکٹوریہ کراسوں میں حصہ کل 40 عدد ہے۔ شاید

بعض قارئین کے نقطہ نظر سے یہ بھی بہت زیادہ رہا ہو کیونکہ ظاہر ہے۔ غلاموں کو آقاؤں کے برابر تو نہیں لایا جاسکتا۔ بہرکیف "خانہ برانداز چمن" نے کچھ تو ادھر بھی عطا کرنا تھا اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ دیکھو ہماری مرحمت قیصرانہ کیسی ہوتی ہیں۔

مگر یہاں جو عجیب ترین حقیقت سامنے ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ باوجودیکہ پنجاب پر یوں تو انگریزوں کی توجہ بالخصوص مبذول رہی اور ہمیشہ پنجاب اور سرحد کو مارشل ریس ایریا قرار دیا جاتا رہا کہ یہاں کے لوگ پیدائشی جنگجو صفت اور عمدہ سپاہی ہوتے ہیں مگر جب ان کی خدمات کے اعتراف کا وقت آیا تو ان چالیس ہندوستانیوں میں سے بھی پنجابی مسلمان صرف انہیں سات عدد ملے اور پٹھان شاید ایک (یہ بھی اندازہ ہے)۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :۔

1۔ سپاہی خداداد خان۔ 129th ڈیوک آف کناٹس اون بلوچیز کے پہلے مسلمان ہندوستانی سپاہی تھے جنہیں اس اعزاز کا مستحق گردانا گیا۔

2۔ جمعدار میر دست۔ 55 کوکس رائفلز (فرنٹیئر فورس) کو 26/اپریل 1915ء کو ملا۔

3۔ نائیک شمشاد خان۔ 89th پنجاب۔ کو میسوپوٹیمیا کے محاذ پر۔ یہ یونٹ اب فسٹ بلوچ کہلاتی ہے۔

4۔ جمعدار عبدالحفیظ۔ 3rd بٹالین 9 جاٹ رجمنٹ۔ انہیں برما فرنٹ پر ملا۔

5۔ لانس نائیک شیر شاہ۔ 16 پنجاب (اب پاکستان کی 19 پنجاب)۔ انہیں برما فرنٹ پر پس از مرگ وکٹوریہ کراس ملا۔

6۔ نائیک فضل دین۔ 10 بلوچ کی 7th بٹالین۔ (اب پاکستان کی 15 بلوچ رجمنٹ۔ انہیں بھی برما فرنٹ پر 12/مارچ 1945ء کو ملا۔

7۔ سپاہی علی حیدر 6th بٹالین (13۔ فرنٹیئر فورس)۔ آخری وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والے سپاہی جنہیں اٹلی کے محاذ پر یہ اعزاز ملا۔

....

"وی سی" کے برابر کا ہی ایک اور اعزاز جاری ہوا تھا۔ یعنی "جارج کراس۔" ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ "وی سی" تو دشمن کا مقابلہ بہادری سے کرنے پر عطا ہوتا ہے لیکن "جارج کراس" بالعموم کسی ایسے بہادری کے کارنامے پر جو کیا بھی ہو لیکن سامنے دشمن نہ ہو، دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے پر ہمارے ملک میں نشان شجاعت ہے۔

یہ صاحب چند سال قبل فوت ہوئے ہیں۔ مصنف کو ان سے ملٹری کالج جہلم (سرائے عالمگیر) کی تقریبات میں ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ آرمی میوزیم میں ان کا مجسمہ نصب ہے۔

ظاہر ہے کہ اتنے بہت سارے وکٹوریہ کراس عطا کئے جانے کے لئے اتنی بہت ساری اور بڑی بڑی جنگیں لڑنا ضروری تھا اور جس زمانے میں حکومت برطانیہ نے یہ تمغہ جات عطا کئے وہ ان کی سلطنت کے پھیلاؤ۔ استحکام اور اس کو قائم کئے رکھنے کا زمانہ تھا۔ جن میں غدر (جنگ آزادی)۔ جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوئم اور آخری جنگ کوریا جیسی اہم جنگیں تھیں اور ان میں انہیں اپنی برتری اور بالادستی قائم رکھنے کے لئے بڑی بڑی جانی اور مالی قربانیاں بھی دینی پڑیں حتیٰ کہ جنگ عظیم دوئم کے بعد تو ان کی سلطنت برطانیہ کے عروج کا زمانہ بھی ختم ہو گیا۔

ہم ایسے ہی واقعات اور جنگی معرکوں میں ادا کی گئی قیمت کی ایک چھوٹی سی جھلک پیش نظر کرتے ہیں۔

''بہرکیف ان آٹھ دنوں کے مارچ میں جرمنی نے ایک بڑی اعلٰے شاطرانہ فتح حاصل کی۔ انہوں نے خاصی زمین پر قبضہ پالیا تھا۔ 90,000 [1] قیدی بنالئے اور برطانوی اور فرانسیسی افواج کو 2,40,000 افراد کا جانی نقصان پہنچایا لیکن بلاشبہ جرمنی کے نقصانات بھی خاصے بڑے تھے۔''

کہنے کو تو اس موضوع پر ابھی لکھنے کو اور بھی بہت کچھ ہے جو قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں شاید ہم اپنے اصلی موضوع سے بھٹک جائیں۔ البتہ یہاں ایک دلچسپ حقیقت بیان کرنا خالی از علت نہ ہوگا کہ پنجاب کے لوگوں نے افواج انگریز میں بڑی بڑی خدمات سرانجام دیں اور وہ اس کا بڑے فخر سے زبانی اعتراف بھی کرتے تھے مگر ان کی خدمات کا افریقہ کے محاذ، اٹلی اور یورپ میں ذکر اول تو کرتے ہی نہیں اور کریں بھی تو سرسری سا۔ پھر بھی پنڈی اور جہلم میں اکثر ایسے دیہات ملتے ہیں کہ جہاں شاذ ہی ایسا گھر ہو کہ جہاں کے کسی فرد نے فرنگی فوج میں خدمات نہ سرانجام دی ہوں۔ ایسے دیہاتوں میں سے ہی ایک ایسا دیہات چکوال کے قریب دھرمیال نام کا ہے جہاں کے تقریباً ہر گھر میں سے کسی نہ کسی نے انگریز کی فوج میں خدمات سرانجام دیں۔ تاج برطانیہ نے خوش ہو کر پوچھا ''بتاؤ۔ ہم تمہاری خدمات کا اعتراف کیونکر کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے کہا کہ ''ہمارے گاؤں میں ایک توپ نصب کروادو۔'' ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا اور وہاں توپ نصب کروادی گئی۔ جو ابھی تک قائم ہے۔ یہ حقیقت بلا تبصرہ بیان کی گئی ہے۔

---

[1] جو لوگ کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ہمارے نوے ہزار جنگی قیدی ایک ریکارڈ نمبر تھے وہ نوٹ کرلیں کہ ان نوے ہزار میں سویلین بھی تھے، پولیس اور رینجر بھی تھے، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے اور کئی سول افسران بھی تھے۔

پہلی جنگ عظیم سے پہلے انگریز فوج کے ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں کو "وکٹوریہ کراس" نہیں دیا جاتا تھا۔ 1911ء میں کنگ جارج پنجم نے انہیں بھی اس کے اہل سمجھا اور یوں 31/ اکتوبر 1914ء کو 129ویں ڈیوک آف کناٹ کی اپنی بلوچ رجمنٹ کے سپاہی خداداد خان کو اولین وکٹوریہ کراس ملا۔ یوں وہ پہلا ہندوستانی (بعد میں پاکستانی) مسلمان پنجاب کا رہنے والا سپاہی تھا۔ اگرچہ وہ بلوچ رجمنٹ کا تھا لیکن انگریز اسے نام میں خان کی نسبت سے پٹھان گردانتے تھے۔ اس نے جن حالات میں جرأت وشجاعت کا یہ اعلیٰ ترین حاصل کیا اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے :۔

1۔ سپاہی خداداد خان۔ وکٹوریہ کراس

"یپرس (Ypres) کے محاذ پر جنگ 30/ستمبر کو شروع ہوئی۔ جرمنوں نے اپنی پوری تندی سے اور نقصان سے لاپرواہ ہو کر حملہ کیا۔ ان کا بہت نقصان ہوا۔ وہ (اتحادی) دفاع کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے اور لگتا تھا سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن ایک تند و تیز جوابی حملے نے صورت حال سنبھال لی۔

31/ اکتوبر کے دن ہولبک (Hollebek) کے مقام پر بلوچیوں نے جرمن فوج کے شدید حملے کا سامنا کیا۔ سپاہی خداداد خان اپنی بٹالین کی مشین گن سیکشن میں تھا اور دو میں سے ایک گن کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس ٹکڑی کا انگریز افسر زخمی ہو گیا تھا اور دوسری گن توپ کا گولہ لگنے سے بیکار ہو گئی تھی۔ سپاہی خداداد خان اگرچہ خود بھی زخمی ہو چکا تھا اپنی مشین گن چلاتا رہا باوجودیکہ اس کے پانچوں ساتھی مارے جا چکے تھے۔ دشمن اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گیا اور بعد میں وہ رینگ کے اپنی یونٹ تک پہنچ گیا۔ اس دن اس پلٹن کے سات انگریز افسر یا مارے گئے یا زخمی ہو گئے تھے۔ پانچ دیسی افسر یا مارے گئے یا زخمی ہوئے تھے۔ 164 سپاہی مارے گئے یا زخمی ہوئے اور 64 کا پتہ نہیں چلا جن میں سے بیشتر مارے گئے تھے ....

ایک ماہ کے بعد بادشاہ سلامت جب محاذ پر گئے تو زخمی خداداد خان کو ہسپتال میں وکٹوریہ کراس عنایت کیا۔"

2۔ جمعدار میر دست

مسلمان سپاہیوں میں سے دوسرا وکٹوریہ کراس 55th کوکس رائفلز (ایف۔ایف) 55th Coke's Rifles کے جمعدار میر دست کو 26/ اپریل 1915ء کو یپرس (بلجیم) کے محاذ پر ملا۔ یہ صاحب پہلے سے ہی ایک اور بہادری کا تمغہ آئی او ایم (Indian Order of Merit) حاصل کر چکے تھے۔ ان کے کارنامے کی تفصیل میسر نہیں۔

3۔ نائیک شمشاد خان

تیسرا وکٹوریہ کراس 89th Punjabis کے نائیک شمشاد خان کو 13-12/ اپریل 1916ء کو میسوپوٹیمیا کے محاذ پر بیت آئیسہ Beit Ayeesa کی لڑائی میں دیا گیا۔ یہ یونٹ اب پاکستان آرمی کا حصہ ہے اور فسٹ بلوچ رجمنٹ کہلاتا ہے۔ ان کے معرکے کی بھی تفصیل میسر نہیں۔ گویا پہلی جنگ عظیم میں برصغیر کے جن گیارہ فراد کو وکٹوریہ کراس ملا۔ ان میں یہ تین مسلمان تھے۔

4۔ جمعدار عبدالحفیظ

مسلمان فوجیوں میں چوتھا وکٹوریہ کراس تھرڈ بٹالین 9th جاٹ رجمنٹ کے جمعدار عبدالحفیظ کو 6/ اپریل 1944ء کے دن امپھال، کوہیما، آسام، برما کے محاذ پر ملا۔

برما کے محاذ پر جاپانی فوج تھی اور وہ کس قسم کے لڑاکا فوجی تھے اس کا اعتراف اس محاذ کے اتحادی کمانڈر فیلڈ مارشل ولیم سلم نے جن الفاظ کیا اور انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس کا ذکر غیر مناسب اور بے جانہ ہوگا۔ جاپانی کمانڈر نے اپنے فرمان امروز میں کہا تھا کہ "آج کی جنگ پر امپائر کی قسمت کا انحصار ہے۔" اور وہ ہار گئے۔ فیلڈ مارشل سلم ا۔(Slim) نے شکست سے بچ نکلنے کی جاپانی تگ ودو کے بارے میں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہا ہے :۔

"خواہ کوئی بھی کسی ناامیدانہ حصول منزل کے سلسلے میں فوجی دانش مندی کے بارے میں کچھ بھی کہے۔ کسی کو بھی ان جاپانی سپاہیوں کی شجاعت بے انداز اور سخت جانی کے بارے میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ جو کچھ وہ کر گزرے۔ میرے علم کے مطابق ایسی اور کوئی فوج نہیں جو ان کی سی مثال پیش کر سکے۔"

اسی طرح وکٹوریہ کراس پر کتاب کے مصنف نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "میرے تجربے کے مطابق صرف وہی ایسے سپاہی تھے جن سے میرا واسطہ پڑا تو میں نے جانا کہ یہ آخری سپاہی آخری گولی تک لڑتے تھے۔"

"اس جنگ میں اور ایسے محاذ پر امپھال سے دس میل دور جمعدار عبدالحفیظ کو اپنی پلاٹون کے ساتھ جاپانیوں کی ایک پارٹی پر حملے کا حکم ملا جنہوں نے ایک ایسے نمایاں مقام پر قبضہ کر رکھا تھا جو اس کی کمپنی کے مقابلے میں بلندی پر تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے کسی آڑ کے بغیر ایک ڈھلوان پر سے ہو کر ایک مشکل پہاڑی چڑھائی پر چڑھ کر پہنچنا تھا۔

ا۔ DEFEAT INTO VICTORY" By Field Marshal Sir William Slim

عبدالحفیظ نے یہ حملہ بڑی کمال کی مستعدی اور جرأت مندانہ انداز میں کیا اور دشمن پر اس طرح جھپٹا کہ ان میں سے کئی کو اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا۔ ایک اور پہاڑی پر سے آتے ہوئے مشین گن فائر سے لاپرواہ وہ اپنے دو زخموں کے باوجود آگے ہی بڑھتا رہا لیکن دوسرا زخم جان لیوا ثابت ہوا۔ پھر بھی اپنی موت سے پہلے وہ اپنے سے زیادہ طاقتور فوج کو شکست دینے اور اس اہم مورچے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

جمعدار عبدالحفیظ ایک مسلمان راجپوت تھا۔ جو پنجاب کے ضلع رہتک کے گاؤں کلانور میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا وکٹوریہ کراس 24 / اکتوبر 1944ء کو اس کی بیوہ نے فیلڈ مارشل وائی کاؤنٹ ویول سے لال قلعے میں وصول کیا تھا۔

5۔ لانس نائیک شیر شاہ

1945ء میں برما فرنٹ پر پہلا وکٹوریہ کراس 7/16 پنجاب (اب 19 پنجاب) کے لانس نائیک شیر شاہ کو پس از مرگ ملا۔ یہ پانچواں مسلمان وی سی تھا۔ شیر شاہ اپنی پلاٹون کی بائیں سیکشن کمانڈ کر رہا تھا۔ اس پر جاپانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے حملہ کیا۔ اس نے رینگ کے آگے بڑھ کر جاپانیوں کے دو حملوں کو پسپا کیا اور ان کی صفوں میں گھس کے بڑے قریب سے جاپانیوں پر گولی چلائی۔ دوسرے حملے کی دفعہ اسے مارٹر کا ایک گولہ لگا جس نے اس کی دائیں ٹانگ کے پرخچے اڑا دیئے لیکن وہ اس بات پر مصر رہا کہ اس کا زخم معمولی نوعیت کا ہے جب کہ اس کی دائیں ٹانگ مکمل طور پر اڑ گئی تھی اور جب جاپانیوں کا حملہ ہوا۔ تو وہ ان سے دوبدو لڑا حتیٰ کہ گولی اس کا سر چیرتی ہوئی نکل گئی اور وہ ختم ہو گیا۔ اگلے دن جب شیر شاہ کے سامنے کی پوزیشن کا معائنہ کیا گیا تو وہاں سے جاپانیوں کے ایک افسر سمیت 24 لاشیں ملیں اور چار زخمی جاپانی ملے۔

6- نائیک فضل دین

برما میں تیسرا اور ویسے چھٹا وکٹوریہ کراس ایک مسلمان نائیک فضل دین کو ملا۔ اسے یہ اعزاز برما فرنٹ کی اہم اور فیصلہ کن میکٹلا کی زبردست خونریز لڑائی میں ملا۔

"نائیک فضل دین 10 بلوچ کی ساتویں بٹالین سے تعلق رکھتا تھا۔ اب یہ 15 بلوچ رجمنٹ کہلاتی ہے۔ وہ جاپانیوں کے ایک دفاعی بنکر پر کمپنی کے حملے میں اپنی سیکشن کی کمان کر رہا تھا۔ یہ دشمن کے دفاع کی کلیدی پوزیشن تھی جس پر اس سے پہلے ایک کمپنی کا حملہ ناکام ہو چکا تھا۔ نائیک فضل دین کی سیکشن کے ہمراہ ایک ٹینک بھی تھا جو آگے نکل گیا تھا جبکہ اس کے حملے کو بنکر سے آنے والے فائر نے روک دیا تھا۔ اس پر نائیک فضل دین نے نزدیکی بنکر پر بذات خود گرینیڈ سے حملہ کر کے اسے

خاموش کر دیا۔ پھر اس نے شدید فائر میں اپنی سیکشن سے دوسرے بنکر پر حملہ کیا۔

اچانک چھ جاپانی اپنے دو افسروں کی سر کردگی میں تلواریں لہراتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ برین گن والے نے ایک افسر اور ایک جاپانی سپاہی کو ڈھیر کر دیا لیکن دوسرے افسر نے اپنی تلوار سے اسے ختم کر دیا۔ نائیک فضل دین فوراً اپنے برین گنر کی مدد کو دوڑا لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ جاپانی افسر کی تلوار کی زد میں آگیا جس کی تلوار اس کے سینے کو چیرتی ہوئی پشت سے باہر نکل گئی اور جب جاپانی افسر نے اپنی تلوار کھینچ کر نکالی تو فضل دین نے اپنے اس خوفناک زخم کے باوجود اس افسر کے ہاتھوں سے تلوار چھین کر اسے مار ڈالا۔ پھر وہ ایک سپاہی کی مدد کو پہنچا جو ایک اور جاپانی سے بھڑا ہوا تھا۔ اسے بھی اس تلوار سے ختم کیا پھر وہ تلوار لہراتا ہوا اپنے ساتھیوں کو حملے اور آگے بڑھنے کے لئے ابھارتا رہا۔ اس کے بعد وہ پچیس گز دور اپنی پلاٹون کے ہیڈ کوارٹر تک رپورٹ دینے کو پہنچا اور گر پڑا۔ وہ اپنی رجمنٹل ایڈ پوسٹ تک پہنچنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔"

نائیک فضل دین کے اس بہادرانہ کارنامے نے اس کے ساتھیوں میں ایسا جذبہ وجوش بھرا کہ انہوں نے اپنا حملہ جاری رکھا اور اس بنکر کے تمام گیریژن کا صفایا کر دیا۔ جو 55 جاپانی فوجیوں پر مشتمل تھا۔

7۔ سپاہی علی حیدر

ساتواں اور آخری وکٹوریہ کراس جس مسلمان سپاہی کو ملا اس کا نام علی حیدر تھا۔ وہ 13 فرنٹیئر فورس رائفلز کی 6th بٹالین سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے یہ اعزاز 9/ اپریل 1945ء کے دن اٹلی کے محاذ پر ملا تھا۔ اگرچہ اس کارنامے اور معرکے کی تفصیل حاصل نہیں۔ لیکن وہ وکٹوریہ کراس کے سلسلے میں ہونے والی 1962ء کی ری یونین میں پاکستان کی جانب سے شامل ہونے والا واحد وکٹوریہ کراس کا حامل فوجی تھا۔ جب کہ بھارت سے دو فوجی اس میں شامل ہوئے تھے۔

ان سات مسلمان وکٹوریہ کراس پانے والوں کے کارنامے بیان کرنے کے تین مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ دیکھا جائے کہ انگریز نے اپنی افواج میں برصغیر کے جن مسلمان فوجیوں کو اپنے اس اعلےٰ اعزاز کا مستحق گردانا۔ انہوں نے جب ان کو اپنے معیار پر پرکھا تو کن عوامل کو مدنظر رکھا۔ تاکہ ہماری افواج کے سپاہی بالخصوص اور ہمارے قاری کو بالعموم پتہ چل سکے کہ ایک بہادر سپاہی اپنی اعلےٰ ترین منزل تک کیونکر پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاں تک وکٹوریہ کراس کا تعلق ہے۔ برصغیر کے جن فوجیوں کو ملا تھا۔ مل چکا۔ اب ایسا موقع بادی النظر میں پھر کبھی نہیں آئے گا۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اب ہمارے اپنے تمغہ ہائے شجاعت اور بہادری برائے عزت وافتخار ہیں تو کیوں نہ ان کا دوسرے ممالک کے ایسے ہی تمغوں سے ایک سرسری ساتقابلی جائزہ پیش کیا جائے۔

پاکستان

1۔ نشان حیدر
2۔ ہلال جرأت
3۔ ستارہ جرأت
4۔ ستارہ بسالت
5۔ تمغہ جرأت
6۔ تمغہ بسالت
7۔ ستارۂ حرب (1965ء اور 1971ء)
8۔ تمغہ دفاع
9۔ تمغہ جنگ (1965ء اور 1971ء)

بھارت

1۔ پرم ویر چکر اعلٰے ترین اعزاز
2۔ مہاویر چکر دوسرا اعلٰے ترین اعزاز
3۔ ویر چکر تیسرا اعلٰے ترین اعزاز
4۔ اشوک چکر دشمن کے علاوہ کہیں بہادری دکھانے پر
5۔ جنرل سروس میڈل

انگلستان

1۔ وکٹوریہ کراس بہادری کا اعلٰے ترین اعزاز جو اب تک 1346 فوجیوں کو مل چکا ہے۔ تین افراد اس اعزاز کے دوبار مستحق پائے گئے۔ ان میں دو ڈاکٹر تھے۔
2۔ جارج کراس دشمن کے علاوہ کہیں بہادری دکھانے پر
3۔ جارج میڈل
4۔ ڈی ایس او Distinguished Service Order
5۔ ملٹری کراس
6۔ ملٹری میڈل

ایسے ہی میڈل بری اور بحری فوج کو ان کے نام کے ساتھ عطا کئے جاتے ہیں۔

جرمنی

1۔ آئرن کراس — ہر جنگ کے لئے علیحدہ علیحدہ عطا کیا جاتا رہا ہے۔

2۔ جرمن کراس — جنگ عظیم دوئم کا اعلےٰ ترین اعزاز۔ بقیہ اعزازات ان کے مختلف محاذات کے مطابق عطا کئے گئے۔

ڈنمارک

آرڈر آف کی ایلی فینٹ (ہاتھی)

فرانس

لیجن آف آنر — Legion D'Honnour

چیکوسلواکیہ

آرڈر آف دی وائٹ لائنOrder of the White Lion(سفید شیر ببر)

ترکی

ترکی کے اعلےٰ اعزازات کی تفصیل نہیں مل سکی۔ ایک بار راقم نے ترکی کے ایک افسر کی چھاتی کو تمغوں کی ربن سے مبرا دیکھ کے اس کی وجہ جاننی چاہی۔ تو اس کا جواب تھا کہ "ہمارا ہر سپاہی بہادر ہوتا ہے۔" اس کی واضح مثال کوریا کی جنگ میں دیکھنے میں آئی۔ جہاں یونائیٹڈ نیشن کی افواج کے تحت انہوں نے ایک بریگیڈ بھیجا تھا۔ جو سارے کا سارا بہادری سے لڑتا ہوا کام آیا تھا۔

امریکہ

ان کا اعلےٰ ترین اعزاز "میڈل آف آنر" ہے۔

اگرچہ ان کے تقریباً ایک سو اور مختلف اقسام کے میڈل ہیں جو مختلف جنگوں اور محاذوں سے وابستہ ہیں لیکن ان سب میں ایک اور مشہور میڈل پرپل ہارٹ (Purple Heart) جو جنگ میں زخمی ہونے والے کو ملتا ہے۔ جس فوجی کو سب سے زیادہ اعزاز یافتہ سپاہی گردانا جاتا ہے اس کا نام مرفی تھا۔ ایک دن وہ اپنی عسکری زندگی کو چھوڑ کے فلم لائن میں آ گیا اور اس کی پہلی فلم اس کے اپنے عسکری کارناموں پر بنی جو کہ واقعی قابل ذکر اور قابل ستائش تھے۔

یو ایس ایس آر

گولڈ سٹار میڈل

یو این فورسز

1۔ یو این کوریا میڈل(1950)

2۔ یو این ایمر جنسی فورس میڈل(1957)

3۔ یو این میڈل(1959)

یہ مختلف ممالک میں یو این افواج میں خدمات انجام دینے پر ملتا ہے۔ جس میں ملٹری سروس گروپ ہندوستان اور پاکستان بھی شامل ہیں۔

چیچنیا

ہمارے علم میں نہیں کہ چیچنیا میں کس نوعیت کے اعزازات عطا کئے جاتے ہیں یا کئے گئے ہیں لیکن ہمارے خیال میں اگر کبھی وہاں اعلیٰ ترین اعزاز قائم کیا گیا تو وہ یا تو امام شاملؒ کے نام پر ہو گا یا پھر جنرل داؤدوف کے نام پر۔ کیوں ؟ اس کے لئے ان کی حال اور ماضی کی تاریخ جاننا ضروری ہے۔

اوپر دی گئی لسٹ کسی لحاظ سے بھی پوری مکمل یا جامع نہیں ہے ہم نے صرف بطور نمونہ کچھ چنیدہ اعزازات کا ذکر کیا ہے لیکن شاید یہ ذکر بے جا نہ ہو کہ یورپی ممالک کے لوگ ان تمغوں اور اعزازات کو بھی نوادرات کے طور پر جمع کرتے ہیں جس طرح وہ لوگ کمیاب ڈاک ٹکٹوں اور سکوں کا کرتے ہیں۔ ان کی قیمت کا باقاعدہ تعین کیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی بھی قدر و قیمت کا حساب لگایا جاتا ہے۔ ان کی بڑے اہتمام سے کیٹلاگ لسٹیں چھپتی ہیں اور ان کے بھی قیمت کے لحاظ سے گریڈ مقرر ہیں۔ ان تمغوں کی قیمت تمغے کی بظاہر حالت۔ اس میں استعمال کی گئی دھات اور ڈھالنے والوں کی اہمیت تمغے سے منسلک تاریخ و روایت اور اسے حاصل کرنے والے کی شناخت کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ ان کی کیٹگری اے (A) سے ایل (L) تک ہے۔ سب سے کم قیمت یعنی پانچ پاؤنڈ سے کم مالیت میں مل جاتا ہے اور ایل کی قیمت 2500 پاؤنڈ سے بھی اوپر تک ہو سکتی ہے۔

یہ تو رہی ان تمغوں کی قیمت جو انہیں شوقیہ جمع کرنے والے ادا کرتے ہیں لیکن ان کو حاصل کرنے والے ان کی کیا قیمت ادا کرتے ہیں اس کا شاید ان کو کبھی احساس تک نہ ہوتا ہو گا کہ وہ اپنے جسم کے انتہائی قیمتی اعضاء سے محروم ہونے سے لے کر اپنی جان تک فرض ادائیگی میں ملک اور قوم کی راہ میں نچھاور کر دیتے ہیں۔ جو جان دے دیتے ہیں وہ تو ایک بار ہی اپنے فرض سے کماحقہ سبکدوش ہو جاتے ہیں اور ان کے لواحقین اور چاہنے والے ان کی یادوں کو سینے سے لگائے ان پر فخر

Military Medals And Decorations.

A, Price GUIDE for Collectors By Yves A rden.

کرتے رہتے ہیں۔

لیکن جو لوگ زخمی ہو کر اپنے اعضاء سے محروم ہو کر لوٹتے ہیں ان کے احساسات کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو ان سے بالواسطہ متاثر ہوتے ہیں۔ ہمارا ایک محاذ جنگ دنیا کا بلند ترین محاذ جنگ ہے جہاں ہماری فوج کے جوانوں اور افسروں کو دو دشمنوں سے بہ یک وقت مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی ایک تو مقابل کی فوج اور دوسرے موسم۔ افواج کے بیشتر افراد تو مقابل فوج کے حملوں سے بچ کر واپس آ جاتے ہیں لیکن دشمن موسم سے شاذ ہی کوئی بچ کر نکلتا ہے۔ کوئی شدید سردی کی بنا پر اپنا پھیپھڑا نثار کر آتا ہے۔ تو کسی کو فراسٹ بائیٹ کی بنا پر ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں نچھاور کرنی پڑتی ہیں۔ کوئی پہاڑ سے چڑھتے اترتے برفانی درزوں کی ایسی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو جاتا ہے کہ ان کی لاش تک نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ انہیں اور کن کن مصائب اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ہماری اس کتاب کے موضوع سے ماوراء ہیں لیکن ایک حقیقت کا اعتراف ہم سب کو کرنا پڑے گا کہ جو لوگ ان خونخوار برفانی بلندیوں پر جس نوع کی قربانی دیتے ہیں۔ وہ بلا مبالغہ **"Far Beyond The Call of Duty"** ہیں۔ ان کا برملا اور بھرپور اعتراف کرنا ضروری ہے جس کا ایک حد تک فقدان ہے۔

حرف آخر

ٹی وی ڈرامہ "نشان حیدر" سرور شہید کب لکھا گیا کیونکر لکھا گیا۔ اس کی تفصیل آپ کو اسی کتاب کے باب "پس منظر اور پیش منظر" میں ملے گی۔ جہاں تک ڈرامے کی حد تک کتاب کی پروڈکشن اور تیاری کا تعلق ہے وہ جنگ پبلشرز کے تحت 1993ء میں مکمل ہو چکی تھی اور اسی سال مئی کے مہینے میں اسے چھپ جانا چاہئے تھا لیکن جنگ پبلشرز بوجوہ اس کی اشاعت میں تاخیر کرتے رہے اور جب انہوں نے مجھے اس کا فائنل پروف نظر ثانی کے لئے بھیجا تو میں بھی اس کتاب کے بارے میں کچھ نظر ثانی خیالات کا حامل ہو چکا تھا۔ اکثر دوستوں کا کہنا تھا کہ صرف اور صرف ڈرامہ شاید قاری کے لئے دلچسپی کا باعث نہ بنے۔ کچھ نے مشورہ دیا کہ بجائے ڈرامے کے اسے اور ایسے دوسرے نشان حیدر پانے والوں پر ایک مکمل کتاب کی شکل دی جائے جو کہ میرے خیال کے مطابق اس ڈرامے کے چوکھٹے سے باہر نکل جاتی تھی اور وہ قطعی ایک علیحدہ اور نیا پراجیکٹ بن جاتی تھی۔

اسی سوچ بچار میں چار سال گزر گئے۔ مظفر محمد علی صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ یہی کہتے ہم اس بار اس سال اس سہ ماہی میں یہ کتاب ضرور چھاپ دیں گے لیکن میں ہر دم اس کتاب کو ذرا زیادہ دلچسپ اور قابل قبول بنانا چاہتا تھا حتیٰ کہ ایک دن ملک کے مشہور مزاح نگار جنرل شفیق الرحمان نے باتوں باتوں میں تذکرہ کیا کہ انگریز فوج میں دو ڈاکٹروں کو بھی وکٹوریہ کراس (ہمارے نشان حیدر کے برابر) ملے تھے اور نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے وکٹوریہ کراس دو بار حاصل کئے تھے

یعنی انہیں وکٹوریہ کراس دو بار ملا۔ میرے لئے یہ انکشاف نہ صرف باعث حیرت بلکہ اس تحریک کا بھی سبب بنا کہ ذرا اس موضوع پر اس پہلو سے بھی تحقیق کی جائے جس کے نتیجے میں ایک نیا باب "دوسرے ممالک کے بہادری کے اعزازات" کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے، اس باب میں وکٹوریہ کراس پر ضرورت سے زیادہ تفصیل نظر آئی ہوگی اسکی بھی دو بڑی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ دوسرے ملکوں کے اعزازات کی اتنی تفصیلی اور مکمل معلومات کہیں اور نظر نہیں آئیں دوسرے یہ کہ وکٹوریہ کراس ایک ایسا تمغہ ہے جس سے برصغیر کے لوگ بخوبی واقف ہیں۔

وکٹوریہ کراس کی شان و شوکت اور عزت و شان کے بارے میں قبل از تقسیم کے ہندوستان میں بڑی عجیب عجیب روائتیں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً یہ کہ وکٹوریہ کراس تمغے کا حامل اسے سینے پر آویزاں جب کہیں سے گزرے تو ہر فوجی کے لئے بلا استثناء رینک اور عہدے کے اسے سیلوٹ کرنا لازمی ہے اور ایک بار ایسا ہوا کہ انگریزی فوج کو ایک قلعے میں محصور ہونا پڑ گیا خوراک ختم ہوگئی فاقوں پر نوبت آگئی لیکن انہوں نے دیکھا کہ یونٹ کا واٹر کیریئر (بہشتی) کھانا پکا کر کھا رہا ہے پکڑ کے پیشی ہوگئی۔ پوچھا گیا۔ تم نے کھانا کہاں سے لیا۔ ضرور چرایا ہوگا۔ اس نے بتایا کہ نہیں اس نے تو قلعے میں جا بجا خود رو اگے چولائی کے ساگ سے پیٹ بھرا ہے۔ اسے چکھا گیا تو وہ خاصا مزیدار اور شکم پرور تھا۔ تو جناب اسے اپنی فوج کی جان بچانے پر وکٹوریہ کراس عطا کیا گیا۔ اب وہ کمر پر پانی کی مشک لادے تمغہ لگائے جہاں سے گزرتا سبھی کو سیلوٹ کرنا پڑتا۔ آخر اسے کام سے سبکدوش کر دیا گیا۔ خدا معلوم ایسی ناقابل یقین کہانی کا ماخذ کیا تھا۔

لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ غلام قوم کی اپنے آقاؤں کی برتری کے بارے میں یا تو نری پرواز خیال تھی یا شاید ان کے بارے میں اس سے تمسخر اور تحقیر کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ بہر کیف وکٹوریہ کراس کی لسٹ میں ایسے کسی "سقہ بچہ" کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جنگ عظیم اول سے پہلے تو ہندوستانی فوجیوں کو وکٹوریہ کراس کے اہل سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ اس زمانے میں یا اس کے بعد انگریزی فوج کا کسی قلعے میں محصور ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

لیکن وکٹوریہ کراس پانے والوں کی تاریخ ہے بڑی دلچسپ اور معلومات سے بھرپور۔ اس میں حاصل کردہ مواد یقیناً ہمارے قارئین کے لئے خاصی دلچسپی کا باعث رہا ہوگا۔

کسی ایک وقت یا کسی خاص حالات کے تحت کوئی شخص یا سپاہی اپنے ساتھیوں سے بڑھ کے ایک یکتا انداز میں بہادری کا مظاہرہ کیوں کر کرتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کی نسبت خاصا نمایاں ہو جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں آخر "بہادری کے اجزائے ترکیبی" کیا ہوتے ہیں۔ تو ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ خاصے "سرکش اور ضدی" ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنے مقابل

کے سامنے نہ تو ہتھیار ڈالنے کو رضامند ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنی شکست قبول کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کا تعین کیا جانا باقی ہے۔

1965ء کی جنگ میں لاہور کے محاذ پر جب کیپٹن صغیر حسین کی کمپنی کو ہندوستانی ٹینکوں نے روند ڈالا اور دشمن یہ اعلان کرتا ہوا آگے بڑھا کہ اپنے ہتھیار پھینک دو اور سرنڈر ہو جاؤ۔ تو کیپٹن صغیر نہ صرف یہ کہ آخر دم تک لڑتا رہا بلکہ جب ٹینک سر پر آہی گیا تو اپنی اسٹین گن سے فائر کرتا ہوا اپنے مورچے سے باہر آگیا اور ہنستے ہنستے جان دے دی لیکن اپنے ہتھیار دشمن کے آگے نہیں پھینکے۔ ایک نوجوان رعنا، کیریئر آفیسر اور انگریزی کے شاعر کے بہادری کے اجزائے ترکیبی کیا تھے کہ جس کا اعتراف دشمن کی فوج نے بھی کیا کہ وہ نہ صرف کمال بہادری سے لڑا بلکہ اس نے بے مثل بہادری سے جان دی۔ اسے تمغہ جرأت (پس از مرگ) ملا۔

اسی طرح **1971**ء کی لڑائی میں مشرقی پاکستان میں بلوچ رجمنٹ کے لیفٹینینٹ کرنل راجہ سلطان محمود کو اس کے کمانڈر نے ایسی بات کہی جو اسے کھا گئی اور وہ مجوزہ محاذ پر ایسی بے جگری سے لڑا کہ لڑتے لڑتے جان دے دی۔ لیکن نہ مورچہ چھوڑا اور نہ ہی ہتھیار پھینکے جبکہ ارد گرد اکثر فوجی ہتھیار ڈال رہے تھے۔ اس کے مقابل بھارتی بریگیڈ کمانڈر بریگیڈیئر (بعد میں میجر جنرل) لچھمن سنگھ نے اپنی کتاب ۱؎ میں تین مقام پر ان کا نام لیا ہے کہ کرنل سلطان محمود کو **(Point Blank)** رینج پر شہید کیا گیا۔ اگرچہ مصنف نے معرکے کی تفصیل نہیں دی لیکن اس کی تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمود نے بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے جان دی اور یہ کہ اس کی یونٹ **32** بلوچ نے جب بالآخر ہتھیار ڈالے تو اس وقت ایک تیسرا افسر اسے کمان کر رہا تھا مگر تب تک یونٹ خاصی افراتفری کا شکار ہو چکی تھی۔ سلطان محمود کا نام جنگی قیدیوں کی لسٹ میں نہیں آیا اس لئے اس کے بارے میں صحیح علم نہیں تھا۔ شملہ کانفرنس میں جب ایسے گم شدہ فوجیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو تب پتہ چلا کہ وہ تو ۷/ دسمبر 1971ء کو ہی شہید ہو چکا تھا۔ سقوط ڈھاکہ کے ساتھ ہی اس کا نام بھی تاریخ کے اوراق میں گم ہو گیا۔

کمال یہ ہے کہ کیپٹن صغیر اور لیفٹینینٹ کرنل راجہ سلطان محمود دونوں بڑے عزیز دوست تھے اور دونوں نے دو مختلف محاذوں پر دو مختلف ادوار میں اپنی جان بڑی بہادری سے اپنے ملک پر نچھاور کی۔

۱؎ دیکھئے کتاب: صفحہ **INDIAN SWORD STRIKES IN 130, 101, 99**
EAST PAKISTAN.
BY Major General Lachman Singh, P.V.S,M. V.C

بہادری صرف جنگوں اور لڑائیوں تک محدود نہیں ہوتی۔ وہ مختلف پہلوؤں سے مختلف انداز میں بڑے مشکل حالات میں اپنا انداز دگر دکھاتی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہادر صرف وہ نہیں ہوتے جو ضدی اور سرکش ہوں بلکہ وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنا موقف، اعتقاد اور کلمہ حق کہنے پر سختی سے کاربند ہوتے ہیں

اسی بناء پر اس کتاب میں ''بہادری کے اجزائے ترکیبی'' کا باب شامل کیا گیا۔

جیسا کہ میں نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ملک اور قومیں نہ صرف یہ کہ اپنے قومی بہادروں کو اعزازات اور انعامات سے نوازتی ہیں بلکہ ان کے مجسمے ایستادہ کرتی ہیں۔ ان پر کتابیں لکھی جاتی ہیں ان پر ڈرامے اور فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔ ان پر رزمیہ نظمیں لکھی جاتی ہیں جو ہر جگہ پڑھی اور سنائی جاتی ہیں تاکہ ان کی قومی بہادری کے کارنامے نہ صرف یادداشتوں میں قائم رہیں اور انہیں زندہ جاوید بنائے رکھیں بلکہ یہ بھی کہ ان کو دہرا دہرا کر آنے والی نئی نسلوں کا خون گرم کرتے رہیں۔ انگریزوں نے جہاں اور روایات برصغیر کی افواج میں رائج کیں۔ وہاں یونٹ ہسٹری اور یونٹ پرچم اور میسوں میں جنگ میں حاصل کردہ نوادرات کی نمائش کا بھی رواج ڈالا۔ آج بھی ہمارے یونٹوں کے پرچموں پر وہ تمام مقامات اور جنگیں رقم ہیں۔ جہاں انہوں نے فتوحات حاصل کی تھیں اور یونٹ میں آنے والے ہر جوان اور افسر کو یونٹ کی تاریخ سے نہ صرف آگاہ کروایا جاتا ہے بلکہ وہ تاریخ اسے زبانی یاد کروائی جاتی ہے۔ ان کے اپنے اپنے جنگی نعرے (Battle Cry) ہوتے ہیں جنہیں وہ دوران جنگ بہ آواز بلند لگاتے رہتے ہیں مثلاً ہماری بلوچ رجمنٹوں کا نعرہ ''کائے کائے'' ہے۔

بہادری کے اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کرنے والوں کو نقد یا زمین کی شکل میں انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔ وکٹوریہ کراس حاصل کرنے والوں میں صرف سپاہیوں کو 75 پاؤنڈ سالانہ Special Hardship Allowance ملتا تھا۔ 1959ء میں اسے بڑھا کر 100 پاؤنڈ سالانہ الاؤنس بلا تخصیص رینک کر دیا گیا تھا۔ یہ ٹیکس سے مبرا ہے۔

اس کا ایک تجربہ راقم حروف کو آج سے بیس سال پہلے ہوا۔ جب مجاہدوں کی تنخواہ بڑھانے کے بارے میں سوال اٹھایا گیا تھا۔ اس زمانے میں مجاہد کی تنخواہ =/120 روپے ماہوار تھی اور خاکروب کی =/300 روپے ماہوار، لیکن جب کیس ملٹری فنانس کے پاس گیا تو ان کے افسر نے پہلا اعتراض یہ جڑا کہ مجاہد تو (TRIFLING NATURE) یعنی ادنیٰ معمولی نوعیت کی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ اس پر راقم حروف نے جواب دیا۔

''جی ہاں! ان مجاہدوں نے ادنیٰ معمولی نوعیت کی ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے 1971ء کی جنگ میں دس تمغہ جرأت حاصل کئے اور پھر جب دشمن کی گولی آتی ہے تو وہ ایک مجاہد اور پاک آرمی کے سولجر

میں کوئی تفریق نہیں کرتی۔''

آخر دو سال کی تگ و دو کے بعد انہیں نہ صرف مجوزہ تنخواہ ملی بلکہ ایک کثیر رقم بقایاجات کے طور بھی۔

نشان حیدر پانے والوں کو دو مربعے زمین یا پچاس ہزار روپے نقد ملتے ہیں۔ اس کے حصول میں بھی ہمارے ملک کا سرخ فیتہ اکثر اپنا جلوہ دکھاتا رہتا ہے۔

لیکن بہادری اور شجاعت تو ایسی شے ہے جسے نہ ناپا جا سکتا ہے نہ تولا جا سکتا ہے۔ نہ اس کی قیمت مقرر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ادا کی جا سکتی ہے۔ علامہ اقبال تو فرما گئے ہیں۔

صلہ شہید کیا ہے تگ و تاز جاودانہ

لیکن شہید ہونے والے کو اس کے مطلب و معانی سے کیا غرض۔ اسے تو وہی جانتے ہیں جو کہ ان کے **Near & Dear** یعنی عزیز و اقارب ہوتے ہیں۔ باقی نام اللہ کا۔

محمد اسماعیل صدیقی تمغہ امتیاز (ملٹری)

12/ اگست 1997ء

نشانِ حیدر

کیپٹن راجہ محمد سرور شہیدؒ

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اسمٰعیل صدیقی